اہل حق کی نصرت و تائید اور اہل باطل کی تردید میں اٹھایا جانے والا قلم سب سے بہترین قلم ہے۔

(امام ابن قیم رحمہ اللہ۔ التبیان في أیمان القرآن: ص: ۳۱۰)

شمارہ نمبر ۶

ماہنامہ سلفی منہج

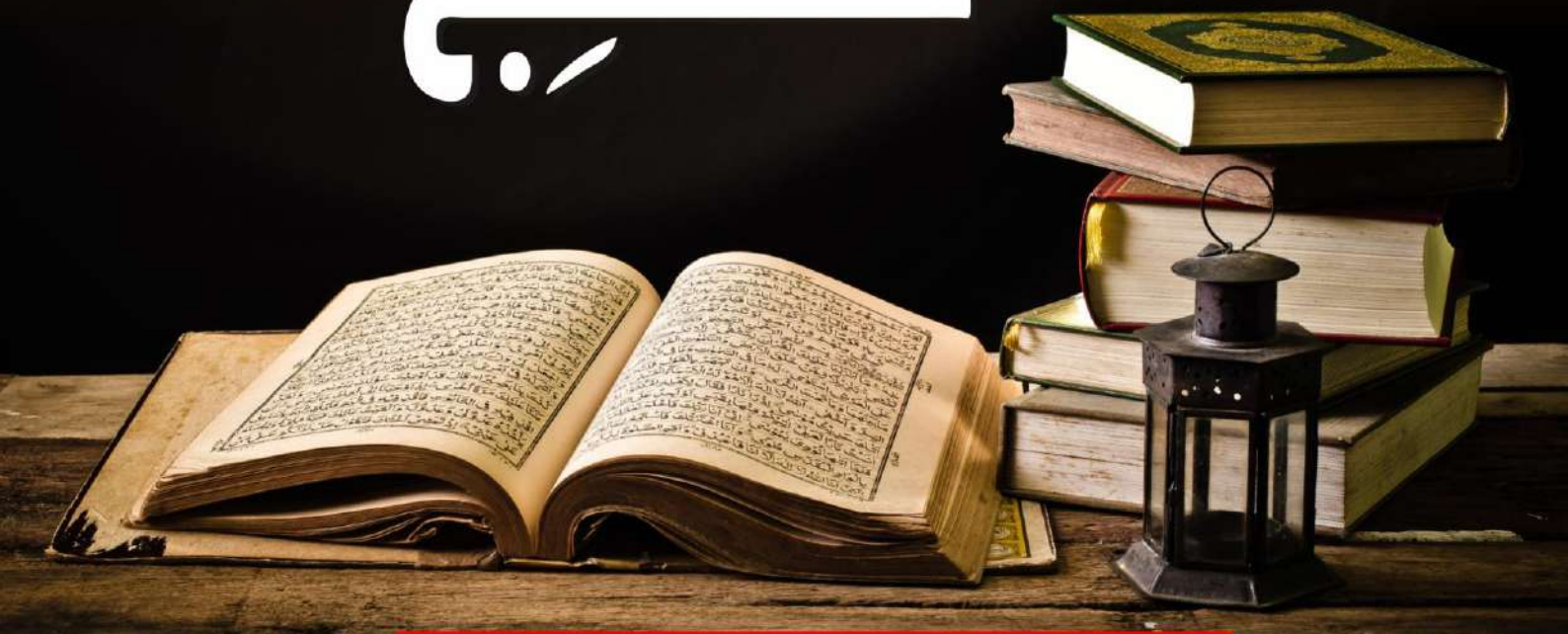

جلد: ۱- شمارہ نمبر: ۶- جمادی الثانی: ۱۴۴۵ھ، دسمبر: ۲۰۲۳ء

اس شمارے میں:

- اعتدال: ایک مظلوم اصطلاح۔
- تبلیغی جماعت کی حقیقت۔
- ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ: فضیلت، خلافت اور روافض کے بعض شبہات۔ (قسط اول)
- الولاء والبراء کا صحیح معنی و مفہوم۔ (قسط چہارم)
- سید قطب کے اعتقادی و فکری انحرافات۔
- صراط مستقیم: مفہوم اور تقاضے۔ (قسط دوم)

www.salafimanhaj.info

اہل حق کی نصرت وتائید اور اہل باطل کی تردید میں اٹھایا جانے والا قلم سب سے بہترین قلم ہے۔

جلد:۱-شمارہ نمبر:۶-جمادی الثانی: ۱۴۴۵ھ، دسمبر: ۲۰۲۳ء

زیر اشراف: فاروق عبد اللہ نراین پوری
ابو احمد کلیم الدین یوسف

مدیر: حافظ علیم الدین یوسف

نائبان: عبد اللہ عبد الرشید مدنی
حافظ فیضان عالم

معاونین: محمد آصف سلفی
حافظ آفتاب عالم
کامران اشرف سلفی

منہج سلف کے نام سے نشر ہونے والا یہ ایک برقی مجلہ ہے جس کا مقصد خالص سلفی دعوت کی نشر و اشاعت اور منحرفانہ وملحدانہ افکار کی بیخ کنی ہے۔

مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ

"جماعت اہل حدیث نے مسلک کی تبلیغ میں ہمیشہ تساہل برتا، ہم اور ہمارے مبلغ اپنے مواعظ وتقاریر میں صلح کل پالیسی اختیار فرماتے رہے، تلخی، تیزی، بدزبانی یقیناً بری چیز ہے لیکن اچھے لفظوں میں حقیقت کی وضاحت میں تساہل کرنا عیب ہے۔ قادیانی، ومنکرین حدیث اپنے خیالات کے اظہار میں جھجھک محسوس نہیں کرتے لیکن ہم لوگ ہمیشہ صلح پسندی میں حقیقت پسندی سے گریز کر جاتے ہیں، اب تو کچھ ایسے حضرات پیدا ہوگئے ہیں جو کہ اہل حدیث کے ذکر سے شرماتے ہیں"۔ (مقدمہ حسن البیان: ص:۱۹)

فہرست عناوین

اداریہ ۳

معروف مزعومہ مفکرین کے فتنے اور ہماری سادہ لوحی (قسط اول) ابو احمد کلیم الدین یوسف ۵

اعتدال: ایک مظلوم اصطلاح فاروق عبد اللہ نراین پوری ۱۳

تبلیغی جماعت کی حقیقت د. عبد الرحمن اقبال البسکوہری ۲۱

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ: فضیلت، خلافت اور روافض کے بعض شبہات (قسط اول) حافظ علیم الدین یوسف ۳۴

الولاء والبراء کا صحیح معنی و مفہوم (قسط چہارم) عبد اللہ عبد الرشید مدنی ۴۲

سید قطب کے اعتقادی و فکری انحرافات مامون رشید ہارون رشید سلفی ۵۰

صراط مستقیم: مفہوم اور تقاضے (قسط دوم) ابو المدیح بلال الخلیلی ۷۱

اداریہ

تعامل مع اہل البدع کی بابت جب کبھی گفتگو کی جاتی ہے، بعض فاسد الارادہ لوگ فورا عملی تطبیق اور مصالح ومفاسد کا نام لے کر اس باب میں وارد اہل سنت کے اصول کی تردید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ یہ لوگ اہل البدعہ کی قربت کو مصلحت سمجھتے ہیں اور ان پر تردید کو مفسدہ کا نام دیتے ہیں۔

تعامل مع اہل البدع پر گفتگو کا مقصد اس باب میں وارد اہل سنت کے اصول کا بیان ہے، نیز یہ بتانا مقصود ہے کہ اس باب میں اصل کیا ہے۔ اصول سلف کو سلف صالحین نے اپنی کتابوں میں بڑے جامع انداز میں بیان کیا ہے، جن میں اہل بدعت سے دوری، ان کی کتابیں پڑھنے کی ممانعت، ان سے اخذ علم اور استفادہ کی حرمت اور ان سے عداوت وقطع تعلقی کی صراحت فرمائی ہے۔

عملی تطبیق کی مسموم تلوار سے بعض افراد اہل سنت کے اتفاقی اصولوں پر ضرب لگانا چاہتے ہیں، نیز ان کی خواہش ہے کہ سلف کے تمام اصولوں کو ان کے زمانے کے ساتھ خاص کر کے موجودہ زمانے میں ان کے خود تراشیدہ اصولوں پر عمل کی آزادی حاصل کی جائے۔ جبکہ ایک ادنی سلفی طالب علم بھی اس امر سے واقف ہے کہ تمام اصول بلا کسی زمان ومکان کی تقیید کے مذکور ہیں، لہذا ان متفقہ اصول کی درستگی کا اعتقاد رکھنا منہج سلف پر قائم رہنے کے لئے لازم اور ضروری ہے۔

رہا عملی تطبیق کا مسئلہ؛ تو تطبیق کو بنیاد بنا کر اصول پر ضرب لگانا اہل سنت کا شیوہ نہیں، نیز جن حالات کا بہانہ بنا کر اہل بدعت کی مجالست بلکہ ان سے دوستی بڑھائی جارہی ہے بعینہ وہی امور یا اسی طرح کے حالات امام احمد اور دیگر ائمہ کرام رحمہم اللہ کے زمانے میں بھی موجود تھے، بلکہ امام احمد رحمہ اللہ پر کوڑوں کی برسات کی گئی، مگر کیا انہوں نے اہل بدعت کے تئیں کسی قسم کی نرمی کا اظہار کیا؟

جہاں تک مصلحت کی بات ہے تو مصلحت وہی معتبر ہے جسے شریعت نے مصلحت سمجھا ہے، وہ نہیں جسے آپ کی عقل نے مصلحت سمجھا ہے، اور مصالح میں سب سے اول درجہ دین کی مصلحت کا ہے، یعنی اہل بدعت کے پاس جانے کا مقصد صحیح منہج کی تبلیغ کا ہو، یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اگر بدعتی کے پاس منہج حق پہنچانے میں آپ کے منہج کے بگڑنے کا ذرا سا بھی اندیشہ ہو، یا یہ خوف ہو کہ عوام الناس میں اس سے غلط پیغام جائے گا تو ان کے پاس جانا جائز نہیں ہوگا۔

مگر مصلحت کوشوں کا حال یہ ہے کہ اہل بدعت کو ان کی غلطی پر تنبیہ کرنا معیوب امر سمجھتے ہیں اور ان کی نقاب کشائی کرنے والوں کے خلاف محاذ آرائی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، بلکہ معاملہ ایں جارسید کہ اب اس نظریے کے حامل افراد اہل بدعت کو اپنے جلسوں اور اسٹوڈیو میں بلا کر ان سے علم حاصل کر رہے ہیں۔

سنت سے دوری انسان کو بدعت میں دھکیل دیتی ہے، اور اہل سنت سے دوری انسان کو اہل بدعت کی محبت میں مبتلا کر دیتی ہے۔ یہ عذاب الٰہی کی ایک خطرناک شکل ہے۔ اللہ رب العالمین ہم سب کو سلف صالحین کے منہج پر قائم رکھے۔ آمین۔

ابو احمد کلیم الدین یوسف
جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

معروف مزعومہ مفکرین کے فتنے اور ہماری سادہ لوحی (قسط اول)

دین اسلام کے بنیادی مقاصد میں سے ایک مقصد حق وباطل کے مابین تمیز کو بیان کرنا ہے، نیز ہدایت وسنت کی راستے کی وضاحت کرنا اس پر چلنے کی دعوت دینا ہے، اور ساتھ ہی اہل بدعت وضلالت کی گمراہیوں کو بیان کرنا، لوگوں کو اس سے بچنے کی تلقین کرنا بھی ہے، جیسا کہ اللہ رب العالمین نے فرمایا:﴿قَد كانَت لَكُم أُسوَةٌ حَسَنَةٌ في إِبراهيمَ وَالَّذينَ مَعَهُ إِذ قالوا لِقَومِهِم إِنّا بُرَآءُ مِنكُم وَمِمّا تَعبُدونَ مِن دونِ اللَّهِ كَفَرنا بِكُم وَبَدا بَينَنا وَبَينَكُمُ العَداوَةُ وَالبَغضاءُ أَبَدًا حَتّى تُؤمِنوا بِاللَّهِ وَحدَهُ إِلّا قَولَ إِبراهيمَ لِأَبيهِ لَأَستَغفِرَنَّ لَكَ وَما أَملِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن شَيءٍ رَبَّنا عَلَيكَ تَوَكَّلنا وَإِلَيكَ أَنَبنا وَإِلَيكَ المَصيرُ﴾۔[۱]

(تمہارے لیے حضرت ابراہیم میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں، ہم تمہارے عقائد کے منکر ہیں، اور جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ ہمارے اور تمہارے مابین عقیدہ کی بنیاد پر بغض وعداوت قائم رہے گی، لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی، کہ میں تمہارے لیے استغفار ضرور کروں گا اور تمہارے لیے مجھے اللہ کے سامنے کسی چیز کا اختیار کچھ بھی نہیں۔ اے ہمارے پروردگار تجھی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے، اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے)۔

سلف صالحین رحمہم اللہ نے کتاب وسنت کی روشنی میں ہر موضوع پر نہایت عمدہ، مفصل اور سیر حاصل بحث کی ہے، شاید ہی کوئی ایسا گوشہ ہو جو تشنہ رہ گیا ہو، جیسے ایک مخلص طبیب مریض کیلئے خیر خواہ ہوتا ہے اور اسے ان چیزوں سے روکتا ہے جو اس کی صحت کیلئے مضر ہوں، اور ان اشیاء کے استعمال کی ترغیب دیتا ہے جن میں اس کی تندرستی اور صحت وعافیت کا راز مضمر ہو، بالکل اسی طرح ایک مخلص عالم دین عوام الناس کیلئے طبیب کے قائم مقام ہوتا ہے جو ان کی عقیدہ ومنہج کی صحت وسلامتی

(۱)[الممتحنۃ:۴]۔

کے پیشِ نظر ان پگڈنڈیوں پر چلنے سے منع کرتا ہے جہاں دن میں بھی دھندلا پن ہو، اور پائے ثبات میں لغزش پیدا ہونے کا خطرہ ہو، اور ان شاہراہِ عام پر چلنے کی تلقین کرتا ہے جہاں کی رات بھی دن کے مانند ہے۔

چنانچہ اہل بدعت کی کتابوں میں پائے جانے والے افکار انہیں دھندلی پگڈنڈیوں کے مانند ہیں جہاں قدم ڈگمگانے کا پورا خطرہ ہوتا ہے، گرچہ اس دھندلے پن میں کچھ نظر آجائے لیکن لغزش کا خطرہ ہنوز برقرار رہتا ہے، جبکہ اہل سنت اور سلف صالحین کی کتابیں ان شاہراہِ عام کی مانند ہیں جہاں اندھیرا تو دور کی بات، سنت کی ضیاء پاش کرنوں سے وہاں کی راتیں بھی دن کی طرح روشن ہوتی ہیں۔

اصل موضوع کو بیان کرنے سے قبل چند باتوں کا سمجھ لینا از حد ضروری ہے:

۱- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت کو سمجھنے کیلئے جو معیار مقرر کیا وہ "ما انا علیه وأصحابی" ہے، اور الحمد للہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی ایک سے بھی بدعت کا صدور نہیں ہوا، گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس راستہ پر چلنے کا حکم دیا جس پر ذرہ برابر بھی بدعت کی آمیزش نہ ہو، اس لئے ہر جمعہ کے خطبہ میں "وایاکم ومحدثات الأمور، کل بدعۃ ضلالہ" کا درس ان صحابہ کرام کو دیا کرتے تھے جن سے بدعت کا صدور ممکن نہیں تھا۔

۲- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانے میں کئی بدعتوں نے اور بدعتی فرقے نے جنم لیا، جیسے خوارج، قدریہ، روافض وغیرہ، لیکن ہمیں ایک بھی صحابی کا قول یا عمل ایسا نہیں ملتا جس میں انہوں نے اہل بدعت کے سردار جیسے ذوالخویصرہ التمیمی، عبداللہ الراسبی، معبد الجہنی اور عبداللہ بن سبا وغیرہم کی کاوشوں سے استفادہ کی ترغیب دی ہو!!

حالانکہ خوارج، روافض اور قدریہ کے مذکورہ سرداروں میں کچھ نہ کچھ تو خوبی ضرور رہی ہوگی، بلکہ خوارج کی عبادت کی تعریف تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں کی ہے، اعتدال کا تقاضا تو یہ تھا کہ صحابہ کرام اپنے زمانے کے مسلمانوں کو خوارج سے عبادت، تلاوت، زہد وورع اور نماز وغیرہ میں اطمینان وسکون سیکھنے کی تلقین کرتے جس طرح آج لوگ مولانا مودودی اور وحید الدین خان صاحبان سے استفادہ کرنے کی تلقین کرتے ہیں.

۳- "سلفیت" کسی کی جاگیر نہیں کہ جس کے منہ میں جو آئے اسے "سلفیت" قرار دے دے، اور جو چاہے منہ اٹھا کر "سلفیت" کے اصول وضوابط پر نقد کرنے لگے، "سلفیت" کتاب وسنت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے فہم سے سمجھنے کا نام "سلفیت" ہے، اس لئے اس نام پر کچھ بیان کرنے کیلئے کتاب وسنت اور اقوال صحابہ وسلف صالحین سے استدلال نہایت

ضروری ہے، کیونکہ منہج وعقیدہ کے سلسلے میں لم یدع الأول للآخر مقالا. (سلف صالحین نے بعد میں آنے والوں کے لئے اعتقادی امور میں کوئی تشنہ لب پہلو نہیں چھوڑا)۔

۴-**"سلفیت" کوئی نووارد فکر نہیں** کہ مولانا مودودی اور وحید الدین خان صاحبان جیسے لوگوں کے دفاع کیلئے اس کے اصول وضوابط کو بالائے طاق رکھ کر تہذیب وشائستگی ہر حد کو پار کر دیا جائے۔

۵-"سلفیت" خالص کتاب وسنت کی تعلیم کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور سلف صالحین کے فہم کی روشنی میں سمجھنے کا نام ہے، اسے سمجھنے کیلئے ہمیں مولانا مودودی اور مودودیت نواز لوگوں قطعی ضرورت نہیں، کیوں کہ مولانا مودودی اور وحید الدین خان جیسے گمراہ لوگوں کی گمراہ فکر کے بنا ہی ہمارا دین مکمل ہے۔

اب ہم اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں، اہل بدعت اور گمراہ کن نظریات وافکار کے حاملین کی کتابوں کو پڑھنے اور ان کی باتوں کو سننے کا حکم شریعت کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کریں گے، ان شاء اللہ:

اللہ رب العالمین فرماتا ہے:((وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ)).

(تمہیں یہ بات قرآن مجید میں بتادی گئی ہے کہ جب تم کسی کو اللہ رب العالمین کی آیات کا انکار کرتے یا اس کا مذاق اڑاتے سنو تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو، یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ کر دوسری گفتگو نہ کریں، اگر تم نے ان کی اس کفریہ مجلس میں شرکت کی تو تم انہی کے جیسے ہوگے)۔

ابن جریر طبری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اس آیت کریمہ میں ہر قسم کے بدعتی اور فاسق وفاجر کی بدعی اور فسق وفجور کی مجلس ومحفل میں بیٹھنے کی ممانعت آئی ہے۔(۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ نے فرمایا:«الرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ، فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ»۔(۲)

(انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، اس لئے بہت سوچ سمجھ کر دوست کا انتخاب کیا کرو)۔

---

(۱)[تفسیر الطبری(۹/۳۲۱)]۔

(۲)[سنن ابی داود(۷/۲۰۴)]۔

اور ایک جگہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «المرءُ مَعَ مَن أحَبَّ»۔[۱] (انسان کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے)۔

۱- عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا گیا کہ بعض لوگ قرآن پڑھتے ہیں، ان کے پاس علم بھی ہے لیکن وہ تقدیر کا انکار کرتے ہیں، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سائل سے کہا: «فإذا لقيت أولئك فأخبرهم أني بريء منهم، وأنهم برآء مني».[۲] (ان لوگوں سے جب تمہاری ملاقات ہو تو انہیں بتا دینا کہ میں ان سے بَری ہوں، اور وہ مجھ سے بَری ہیں)۔

۲- طلق بن حبیب مرجئ تھے انہوں نے جندب بن عبد اللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے قرآن کی ایک آیت کی تفسیر پوچھی، (پوچھنے کے انداز سے صحابی نے بھانپ لیا کہ یہ بدعتی ہے) چنانچہ جندب رضی اللہ عنہ نے کہا: «أحرِّج عليك إن كنت مسلمًا لما قمت عنِّي، أو قال: أن تجالسني». (فورا میری مجلس سے چلے جاؤ، اور آئندہ میری مجلس میں مت آنا)۔[۳]

۳- عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ابو صالح ذکوان السمان سے کہا: «لا تجالس أهل الأهواء ، فإن مجالستهم ممرضة للقلوب». (بدعتیوں کی ہم نشینی مت اختیار کرنا، کیونکہ ان کے ساتھ رہنے اور اٹھنے بیٹھنے سے دل بیمار ہو جاتا ہے اور شبہات کا مرض لاحق ہو جاتا ہے)۔[۴]

۴- عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا گیا: «إن نجدة يقول كذا وكذا، فجعل لا يسمع منه كراهية أن يقع في قلبه منه». (نجدہ نامی بدعتی ایسا ایسا کہتا ہے، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس بات کو ان سنی کر دیا کہ کہیں ان کے دل میں وہ بدعت گھر نہ کر جائے)۔[۵]

---

(۱) [صحیح بخاری (۸/۳۹)]۔

(۲) [صحیح مسلم (۱/۳۶)]۔

(۳) [الإیمان، لقاسم بن سلام (ص: ۳۴)، تفسیر الطبری (۱/۸۰)]۔

(۴) [القدر للفریابی (ص: ۲۲۹)]۔

(۵) [شرح أصول اعتقاد أهل السنة (۱/۱۳۷)]۔

۵-ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:«لا أشركت أمة قط إلا كان بدوه تكذيب بالقدر، وإنكم ستبلون بهم - أيتها الأمة! - فإن لقيتموهم فلا تمكّنوهم؛ فيدخلوا عليكم الشبهات». (ہر امت میں شرک کی شروعات تقدیر کی تکذیب سے ہوئی ہے، اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے اندر بھی اس قسم کے لوگ پیدا ہو سکتے ہیں، اگر ان سے ملاقات ہو تو ان سے سوال وجواب نہ کرنا اور نہ انہیں کرنے کا موقع دینا ورنہ وہ اپنے شبہات تمہارے دل میں بٹھادیں گے۔[۱]

مذکورہ بالا آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بدعت کے ساتھ کس طرح پیش آیا جائے:

۱-اہل بدعت سے براءت کا اعلان کیا جائے، اور ان سے دوری اختیار کی جائے۔

۲-اگر وہ اہل سنت کی مجالس میں آکر شبہات پھیلانے کی کوشش کریں تو انہیں مجلس سے بھگایا جائے۔

۳-ان کی ہم نشینی اختیار نہ کی جائے۔

۴-ان کی گفتگو نہ سنی جائے۔

کسی ایک صحابی سے بھی کہیں ثابت نہیں ہے کہ وہ اہل بدعت کی مجالست اختیار کرتے تھے، یا ان کی مجلس میں شریک ہوتے تھے، یا ان کی حق بات کو مانتے تھے اور ان کے باطل کو درگذر کرتے تھے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اس بات پر اجماع تھا کہ اہل بدعت کے کی مجلس میں شریک ہونا یا ان کی گفتگو سننا یا ان کے ساتھ رہنا جائز نہیں ہے، کیونکہ مذکورہ صحابہ کرام کی کسی صحابی نے مخالفت نہیں کی ہے، اور اسی کو اجماع کہتے ہیں۔

امام بغوی رحمہ اللہ کہتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، تابعین عظام، تبع تابعین اور اہل سنت والجماعت کے تمام علماء کا اہل بدعت کے تئیں بغض وعداوت اور ان سے قطع تعلقی پر اتفاق ہے۔[۲]

---

(۱)[شرح أصول اعتقاد أهل السنة (۱/۱۳۸)]۔

(۲)[شرح السنہ (۱/۲۲۷)]۔

اور ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: سلف صالحین اہل بدعت کی ہم نشینی سے، ان کی کتابوں کو پڑھنے سے اور ان کی گفتگو سننے منع کیا کرتے تھے۔(۱)

یہی معاملہ تابعین رحمہم اللہ کے یہاں بھی تھا، چنانچہ امام اوزاعی رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ: ایک شخص کہتا ہے کہ میں اہل سنت کی مجلس میں بھی بیٹھتا ہوں اور اہل بدعت کی مجلس میں بھی بیٹھتا ہوں، اس شخص کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

امام اوزاعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ ایسا شخص ہے جو حق و باطل کو یکساں سمجھتا ہے، اور اس کے درمیان مساوات کا خواہاں ہے۔(۲)

بدعت اور اہل بدعت پر رد کرنے کے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جو شخص بدعت کا داعی ہو لوگوں کے سامنے اس کی گمراہیوں کو بیان کرنا واجب ہے، کیونکہ ایسے شخص کا فتنہ و فساد چور اوڈاکو کے فتنہ و فساد سے بھی بڑھ کر ہے"۔(۳)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: "بدعتی (علما، داعی و خطیب اور مؤلف وغیرہ) گمراہیوں کو بیان کرنا اور امت کو ان سے دور رہنے کی تلقین کرنا واجب ہے، اور اس بات پر مسلمانوں کا اتفاق ہے، امام احمد رحمہ اللہ سے کہا گیا: جو شخص نمازیں پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے، اعتکاف کرتا ہے آپ کے نزدیک وہ زیادہ بہتر ہے یا جو شخص اہل بدعت کی گمراہیوں کو بیان کرتا ہے اور لوگوں کو ان سے دور رہنے کی تلقین کرتا وہ بہتر ہے؟

امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: نماز، روزہ اور اعتکاف وغیرہ تو انسان اپنی ذات کیلئے کرتا ہے، (یعنی اس کا فائدہ صرف کی ذات کو پہنچتا ہے)، لیکن جو شخص اہل بدعت کی گمراہیوں کو واضح کرتا ہے، لوگوں کے سامنے اسے بیان کرتا ہے، اور انہیں ان

---

(۱)[لمعۃ الاعتقاد (ص: ۴۰)]۔

(۲)الابانہ لابن بطہ: (۲/۴۵۶)۔

(۳)[منہاج السنہ النبویہ (۵/۱۴۶)]۔

سے دور رہنے کی تلقین کرتا ہے وہ مسلمانوں کی خیر خواہی کر رہا ہوتا ہے، اور مسلمانوں کا خیر خواہ میرے نزدیک بہتر اور افضل ہے".....

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ آگے فرماتے ہیں: "بدعت اور اہل بدعت کی ذریعہ جنم لینے والا فساد اور ان کے ذریعہ پھیلائی گئی ضلالت و گمراہی دوران جنگ دشمنوں کے مسلمانوں پر مسلط ہونے سے زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ جب دشمن مسلمانوں پر غالب آتے ہیں تو عقائد و ایمان اور دین و اسلام میں بگاڑ پیدا نہیں کرتے، جب کہ اہل بدعت لوگوں کے عقائد و ایمان اور دین اسلام میں ہی فساد و بگاڑ پیدا کرتے ہیں"۔[1]

کتاب و سنت، اجماع امت، سلف صالحین اور محقق اہل علم کے کلام کی روشنی میں بالکل واضح ہے کہ دین و ایمان اور عقیدہ کی حفاظت کی خاطر بدعت اہل بدعت پر رد کرنا واجب ہے، اور لوگوں کو ان سے دور رہنے کی تلقین کرنا بھی ضروری ہے۔

ہر زمانے میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوئے جو اسلام کے نام پر غیر شرعی افکار و نظریات کی ترویج کرتے رہے، اور اسی کو تحقیق کا نام دیتے رہے، ہمارا زمانہ بھی ان مزعومہ مفکرین سے خالی نہیں، سیدھی سادھی عوام، بلکہ خواص کا وہ طبقہ جو ان مفکرین کی حقیقت سے واقف نہیں، وہ ان کے دام فریب میں آکر ان کی باتوں کو سراہتے ہیں، ان کا دفاع کرتے ہیں، اور لوگوں کو ان مفکرین کو پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں، ان مفکرین میں سے بعض کا تذکرہ ان کے افکار و نظریات کے ساتھ نہایت مختصر انداز میں کرتا چلوں تاکہ حقیقت واضح ہو سکے:

۱- **مولانا مودودی:** انہوں نے اشاعرہ و ماتریدیہ کے طرز پر صفات الٰہی کی تاویل کی، معتزلہ کے طرز پر بعض صفات الٰہی کا انکار کیا، معتزلہ کے طرز پر ہی بعض احادیث رسول کا انکار، وحدت الوجود کے کفریہ عقیدہ کو فروغ دیا، خوارج کے طرز پر امت مسلمہ کی تکفیر کی، روافض کے طرز پر بعض صحابہ کرام پر تنقید کی، اور بعض انبیائے کرام کے متعلق نازیبا جملے کا استعمال بھی کیا۔

۲- **ڈاکٹر اسرار:** وحدت الوجود جیسے کفریہ عقیدہ کے داعی تھے، اہل بدعت کے طرز پر تفسیر بالرائے کیا کرتے تھے، دور حاضر کے خوارج کے طرز پر توحید حاکمیت کے قائل تھے، خوارج کے طرز پر معصیت کے مرتکب کو ہمیشہ

---

(۱)[منہاج السنہ (۲۸/۲۳۱)]۔

ہمیش کا جہنمی قرار دیا کرتے تھے، اہل حدیث اور سلفیوں سے بغض وعداوت رکھا کرتے تھے، روافض اور ان کی طرز حکومت کی تعریف کیا کرتے تھے اور اسی جیسی حکومت کا خواب دیکھا کرتے تھے۔

۳- **وحید الدین خان:** خالص وحدت الوجود کے قائل تھے، جن کے نزدیک رب کی صفات انسانوں کی صفات کے جیسی تھی، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کامل نمونہ نہیں مانتے تھے، ان کے خیال میں اسلامی شریعت کے بعض اجزاء عصر حاضر کیلئے مناسب نہیں تھے، بقول ان کے نصاری کی شریعت کے بعض احکام پر عمل کرنا درست تھا، امام مہدی، عیسی علیہ الصلاۃ والسلام وغیرہ کا ظہور انہیں ایک خیال لگتا تھا، بہت سی قیامت کی نشانیوں کو وہ حقیقی نہیں مانتے تھے، وہ کہتے تھے شاتم رسول کی کوئی سزا نہیں تھی، نیز ان کا دعوی تھا کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد سے آج تک کسی نے نبوت کا دعوی نہیں کیا تھا، حتی کہ مرزا غلام قادیانی نے بھی نہیں کیا تھا، یعنی اس تعلق سے جو احادیث ہیں وہ سب کی سب لایعنی ٹھہریں، اور یہ بھی دعوی کرتے تھے کہ ان کی تنظیم میں وہ تمام صفات موجود ہیں جو صحابہ کرام میں تھیں، اور بھی بہت سے اسلامی احکام کی الگ تعبیرات ہیں ان کے نزدیک۔

ہم میں سے بعض احباب ان کا کھل کر دفاع کرتے نظر آتے ہیں، بلکہ ان کا دفاع کرنے میں اہل حدیث اور اہل حدیثیت کو بھی نشانہ بنانے سے نہیں چوکتے، جماعت وجمعیت ہمیشہ ان کی تنقید کی زد میں ہوتی، ایسے احباب ان کے دفاع میں چند اعتراضات بھی پیش کرتے ہیں جنہیں میں ان شاء اللہ مفصل انداز میں ذکر کرنے کی کوشش کروں گا۔ (جاری)۔

فاروق عبد اللہ نراین پوری
استاد جامعہ اسلامیہ نور باغ، ممبرا، ممبئی

اعتدال: ایک مظلوم اصطلاح

وسطیت اور اعتدال دور حاضر میں استعمال کی جانے والی سب سے خوبصورت اور پر کشش اصطلاح ہونے کے ساتھ ساتھ سب سے مظلوم اصطلاح ہے۔ اس کی مظلومیت کا یہ حال ہے کہ اسے کفار ومشرکین اور یہود ونصاری کے ساتھ ساتھ منحرف افکار کے حاملین اپنے مذموم مقاصد کے لیے خوب استعمال کرتے ہیں۔

انھوں نے بڑی ہوشیاری سے اعتدال اور وسطیت کا یہ مفہوم متعارف کرایا ہے کہ رائے عامہ کے مطابق چلنا، شرعی احکامات سے دست برداری یا تساہل اختیار کرنا، بدعات وخرافات پر انکار نہ کرنا، صلح کلی کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے اہل سنت واہل بدعت سب سے تعلقات قائم کرنا، ہر ایک کو خوش رکھنے کی کوشش کرنا، اور ہر حلقے میں یکساں طور پر مقبول ہونا وسطیت اور اعتدال کی علامت ہے۔

چنانچہ سنت پر عمل کرتے ہوئے جو لمبی داڑھی رکھتا ہو، ٹخنے سے اوپر پینٹ وپاجامہ پہنتا ہو، بھلائی کا حکم دیتا ہو، شرک وکفر اور بدعت وخرافات سے روکتا ہو، اہل بدعت کی ہم نشینی سے منع کرتا ہو، منحرف افکار رکھنے والوں اور ان کے افکار وبدعتوں پر رد کرتا ہو، اسے متشدد، وہابی، مدخلی، جامی اور نہ جانے کن القابات سے نوازا جاتا ہے۔

عموما لفظ وسطیت کا معنی لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی بھی اختلافی معاملہ میں درمیانی راہ اختیار کی جائے، قطع نظر اس سے کہ کتاب وسنت اور منہج سلف سے اس کی تائید ہوتی ہو یا مخالفت۔ یقینا یہ وسطیت کا بہت ہی تنگ اور ناقص مفہوم ہے۔ وسطیت کے اندر درمیانی پہلو کا معنی گرچہ موجود ہوتا ہے، لیکن صرف یہ معنی اس میں ملحوظ نہیں ہوتا، اس کا افراط وتفریط سے پاک اور خیر کے ساتھ موصوف ہونا ضروری ہوتا ہے۔ بلکہ افراط وتفریط سے پاک اور خیر کے ساتھ موصوف ہونا ہی وسطیت کی بنیادی شرط ہے۔ اگر کسی معاملے میں درمیانی پہلو تو موجود ہو لیکن اس میں شرعی نقطہ نظر سے خیر نہ ہو، افراط وتفریط ہو تو وہ وسطیت واعتدال نہیں۔

اللہ تعالی نے ہمیں "امت وسط" کے لقب سے نوازا ہے۔ اس کا ارشاد گرامی ہے: ﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا﴾[۱]۔ (اوراسی طرح ہم نے تمھیں امت وسط بنایا ہے۔)

اللہ رب العالمین کے اس اعلان کے بموجب ہم "امت وسط" ہیں۔ یہ ہمارے لیے عظیم شرف کی بات ہے کہ اللہ تعالی نے ہمیں اس خوبصورت لقب سے ملقب کیا ہے۔ اس لقب کا مطلب ومفاد یہ نہیں کہ تاریخی، جغرافیائی یا تہذیب وثقافت کے اعتبار سے ہم دوسری قوموں کے بیچ وبیچ ہیں، یا کسی بھی مسئلہ میں درمیانی راستہ اختیار کرنے والے ہیں گرچہ کتاب وسنت اور منہج سلف سے اس درمیانی راہ کی تائید نہ ہوتی ہو۔ اگر صرف درمیانی راہ اختیار کرنا وسطیت کہلاتا تو معتزلہ بھی اس وصف کے حقدار ہوتے جو گناہ کبیرہ کے مرتکبین کو نہ مسلمان مانتے ہیں نہ کافر، بلکہ کہتے ہیں کہ وہ "منزلۃ بین المنزلتین" ہیں۔ بلکہ منافقین بھی اس وصف کے حقدار ہوتے جو مسلمانوں اور کفار کے درمیان ہوتے ہیں۔ جن کے بارے میں قرآن کہتا ہے "مُذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَٰلِكَ لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ"[۲] (یہ حضرات دونوں–یعنی مسلمان وکفار–کے مابین تذبذب کے شکار رہتے ہیں، نہ اِن کی طرف ہوتے ہیں، نہ اُن کی طرف)۔

ظاہر ہے اللہ تعالی نے ہمیں جس وصف سے متصف کیا ہے اس کا یہ مفہوم قطعی طور پر نہیں ہو سکتا کہ وہ معتزلہ اور منافقین پر بھی صادق آئے۔ بلکہ اپنی دنیاوی زندگی میں بھی کوئی اس سطحی مفہوم کو قبول نہیں کر سکتا، مثلا: کوئی یہ قبول نہیں کر سکتا کہ متوسط نمبرات سے کامیاب ہونے والا طالب علم پہلی پوزیشن لانے والے سے بہتر ہے، اور متوسط ذہن کا شخص ذہین وفطین اور عبقری شخص سے افضل ہے۔

پھر وسطیت اور اعتدال کا درست مفہوم کیا ہے؟ اور "امت وسط" سے کیا مراد ہے؟

جب تک اس کا درست مفہوم طے نہ ہو اشکالات پیدا ہوتے رہیں گے، اور لوگ اپنی اپنی خواہش کے مطابق اس کی حد بندی کرتے رہیں گے۔

جب اللہ تعالی نے کلام مجید میں ہمیں اس وصف سے متصف کیا ہے تو ظاہر ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، تابعین عظام اور ان کے منہج پر چلنے والے سلف صالحین سے بہتر کوئی اس کا معنی ومفہوم بیان نہیں کر سکتا۔

---

(۱) [سورۃ البقرہ:۱۴۳]۔

(۲) [سورۃ النساء:۱۴۳]۔

لہذا سب سے پہلے اس آیت کی تفسیر کے لیے اصل مصادر کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالی نے قرآن کریم کو عربی زبان میں نازل کیا ہے، اس لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ کلام عرب میں "وسط" کا کیا معنی ہے۔

سلف صالحین کے نصوص کا مراجعہ کرنے کے بعد واضح ہوتا ہے کہ یہ لفظ تین معانی پر دلالت کرتا ہے:

پہلا معنی: دونوں کناروں کے درمیان اور بیچ و بیچ کو وسط کہتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: «البَرَكَةُ تَنْزِلُ وَسَطَ الطَّعَامِ، فَكُلُوا مِنْ حَافَتَيْهِ، وَلاَ تَأْكُلُوا مِنْ وَسَطِهِ».[۱] (برکت کھانے کے بیچ و بیچ نازل ہوتی ہے، اس لیے تم دونوں طرف سے کھاؤ، بیچ سے نہ کھاؤ۔)

دوسرا معنی: عدل وانصاف کرنے والے۔

خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم آیت مذکورہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔"الوَسَطُ العَدْلُ"[۲] (وسط سے مراد عادل یعنی انصاف کرنے والا ہے۔)

یہی قول سلف صالحین کی ایک جماعت مثلا عبد اللہ بن عباس، ابو سعید، مجاہد، قتادہ، ربیع، عطاء اور عبد اللہ بن ابی کثیر وغیرہم سے مروی ہے۔[۳]

امام حکیم ترمذی رحمہ اللہ (متوفی سنہ ۳۲۰ھ) "عادل" کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:"عدلًا لَا يميل إِلَى إفراط وَلَا إِلَى نُقْصَان"۔[٤] (عادل کا معنی یہ ہے کہ وہ افراط ونقصان کی طرف مائل نہ ہو۔)

---

(۱) [جامع ترمذی، حدیث نمبر ۱۸۰۵، امام ترمذی نے اسے حسن صحیح، اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے "السلسلۃ الصحیحۃ" (۵/۴۹) میں صحیح کہا ہے۔]۔

(۲) [صحیح بخاری: حدیث نمبر ۳۳۳۹]۔

(۳) [دیکھیں: تفسیر طبری: ۳/۱۴۳-۱۴۵، وزاد المسیر لابن الجوزی ۱/۱۱۹]۔

(٤) [نوادر الاصول فی احادیث الرسول، ۲/۹۳]۔

تیسرا معنی: "خیار" یعنی سب سے بہترین لوگ۔

بہت سارے علمائے متقدمین نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں لفظ "عدل" کے ساتھ لفظ "خیار" کا بھی اضافہ کیا ہے۔ یعنی "ہم نے تمھیں عدل کرنے والی خیر امت بنایا ہے جو افراط و تفریط سے پاک ہے"۔

چنانچہ ابن قتیبہ الدینوری رحمہ اللہ (متوفی سنہ ۲۷۶ھ) فرماتے ہیں: "{جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا} أي: عَدْلا خِيارًا، ومنه قوله في موضع آخر: {قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ لَوْلا تُسَبِّحُونَ} أي: خيرهم وأعدلهم"۔[۱]

(ہم نے تمھیں امت وسط بنایا ہے، یعنی عدل کرنے والی سب سے بہترین امت۔ ایک دوسری آیت میں لفظ "وسط" اسی معنی میں وارد ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "ان میں سے اوسط شخص نے کہا کہ کیا میں تم سے نہیں کہتا تھا کہ کیوں تم اللہ تعالی کی تسبیح بیان نہیں کرتے؟" یہاں اوسط کا معنی: سب سے بہتر اور سب سے انصاف پسند شخص۔)

امام طبری رحمہ اللہ نے اس سے بھی واضح اور صریح الفاظ میں لفظ وسط کا یہ معنی بیان کیا ہے، فرماتے ہیں: "الوسط: العدلُ, وذلك معنى الخيار، لأن الخيارَ من الناس عُدولهم".[۲] (وسط یہ عدل ہے۔ اور یہی خیار کا معنی ہے، کیونکہ لوگوں میں سب سے بہترین لوگ وہ ہیں جو عادل ہیں۔)

یہی معنی مفسرین کی ایک جماعت نے مثلا علامہ سمعانی نے اپنی تفسیر (۱/۱۴۸) میں، علامہ بغوی نے اپنی تفسیر (۱/۱۷۴) میں، حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۵/۴۵۷) میں، علامہ شوکانی نے "فتح القدیر" (۱/۱۷۴) میں اور علامہ سعدی نے "تیسیر الکریم الرحمن" (ص ۷۰) میں بیان کیا ہے۔

امت وسط کی تفسیر میں سلف صالحین کے مذکورہ نصوص کو سامنے رکھتے ہوئے اگر ہم وسطیت اور اعتدال کی تعریف کرنا چاہیں تو کہیں گے کہ "وسطیت اور اعتدال ایک ایسی بہترین صفت ہے جو افراط و تفریط اور غلو و تقصیر کے درمیان عدل وانصاف پر مبنی ہے"۔

پتہ چلا کہ وسطیت واعتدال میں بنیادی طور پر تین چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے:

---

(۱) [غریب القرآن لابن قتیبہ الدینوری، ص ۶۴]۔

(۲) [تفسیر طبری: ۳/۱۴۲]۔

۱–افراط و تفریط اور غلو و تقصیر سے پاک ہو۔

۲–عدل وانصاف موجود ہو، ظلم و ستم نہ ہو۔

۳–خیر ہو، شر نہ ہو۔

اگر کسی بھی عمل میں یہ بنیادی تین چیزیں موجود ہوں تو وہ عمل وسطیت واعتدال پر مبنی ہے، ظلم و تشدد پر نہیں۔ تمام سلف صالحین کے نصوص میں ہمیں اسی وسطیت واعتدال کا درس ملتا ہے۔

امام المفسرین علامہ طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"أرى أن الله –تعالى ذِكْرُه– إنما وصفهم بأنهم "وسَط"، لتوسطهم في الدين، فلا هُم أهل غُلوٍّ فيه غلوَّ النصارى الذين غلوا بالترهب، وقيلهم في عيسى ما قالوا فيه، ولا هُم أهلُ تقصير فيه تقصيرَ اليهود الذين بدَّلوا كتابَ الله، وقتلوا أنبياءَهم، وكذبوا على ربهم، وكفروا به؛ ولكنهم أهل توسط واعتدال فيه، فوصفهم الله بذلك، إذ كان أحبَّ الأمور إلى الله أوْسطُها"۔[۱]

(میرا ماننا ہے کہ اللہ تعالی نے انھیں وسطیت سے صرف اس لیے متصف کیا ہے کیونکہ وہ دین کے معاملے میں درمیانی راہ اپناتے ہیں، نہ وہ نصاری کی طرح غلو کرنے والے ہیں جو رہبانیت میں غلو کرتے ہیں، اور عیسی علیہ السلام کے متعلق اپنے خاص نظریات کا اظہار کرتے ہیں۔ اور نہ یہود کی طرح تقصیر کرنے والے ہیں جنھوں نے کتاب اللہ کو بدل ڈالا، انبیا کو قتل کیا، اپنے رب پر بہتان تراشی کی اور اس کے ساتھ کفر کیا۔ بلکہ یہ وسطیت واعتدال والے ہیں، جس بنا پر اللہ تعالی نے انھیں اس وصف سے متصف فرمایا، کیونکہ تمام معاملات میں اللہ کے نزدیک سب سے محبوب امر وہ ہے جو سب سے بہتر ہو۔)

کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"يعني أهل دين وسط بين الغلو والتقصير, لأنهما مذمومان في الدين".[۲] (یعنی اس دین کے متبعین غلو و تقصیر کے درمیان ہے، کیونکہ یہ دونوں مذموم صفات ہیں۔)

---

(۱) [تفسیر طبری: ۳/۱۴۲]۔

(۲) [دیکھیں: معالم التنزیل للبغوی: ۱/۱۵۸]۔

ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''أصل ذلك أن خير الأشياء أوساطها، والغلو والتقصير مذمومان''۔[۱]
(اس کی اصل اور بنیاد یہ ہے کہ تمام چیزوں میں سب سے بہترین چیز وہ ہے جو سب سے عمدہ واعلی ہو، اور غلو وتقصیر یہ دونوں مذموم ہیں۔)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ''العقیدۃ الواسطیہ'' (ص ۸۲) میں اس وسطیت واعتدال کو بڑے ہی جامع انداز میں بیان کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت صفات الٰہی کے باب میں جہمیہ ومشبہہ کے مابین، افعال الٰہی کے باب میں قدریہ وجبریہ کے مابین، وعید کے باب میں مرجئہ وقدریہ کے مابین، ایمان کے باب میں حروریہ ومعتزلہ اور مرجئہ وجہمیہ کے مابین، اور صحابہ کرام کے باب میں روافض وخوارج کے مابین وسطیت واعتدال پر قائم ہیں۔ کیونکہ یہ تمام فرقے مذکورہ تمام ابواب میں افراط وتفریط اور غلو وتقصیر کے شکار ہیں۔

اور علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وَلَمَّا كَانَ الْوَسَطُ مُجَانِبًا لِلْغُلُوِّ وَالتَّقْصِيرِ كَانَ مَحْمُودًا أَيْ: هَذِهِ الْأُمَّةُ لم تغل غلوّ النصارى في عيسى وَلَا قَصَّرُوا تَقْصِيرَ الْيَهُودِ فِي أَنْبِيَائِهِمْ".[۲]

(جب وسط غلو وتقصیر سے پاک ہے تو یہ ایک محمود صفت ہے، یعنی یہ امت نہ اس طرح غلو سے کام لیتی ہے جس طرح نصاری عیسی علیہ السلام کے بارے میں غلو کرتے ہیں، اور نہ اس طرح تقصیر وتفریط کرتی ہے جس طرح یہود انبیا کے بارے میں تقصیر کرتے ہیں۔)

ان تمام اقوال میں خصوصی طور پر افراط وتفریط سے دور رہنے کی بات کی گئی ہے کیونکہ دونوں مذموم صفات ہیں، تو وسطیت واعتدال دو مذموم صفات کے مابین محمود صفت کو اختیار کرنے کا نام ہے، نہ یہ کہ کسی ایسی صفت کا اختیار کرنا جو درمیانی تو ہو لیکن محمود نہ ہو، بذات خود مذموم ہو جیسے کہ اوپر منزلہ بن المنزلتین اور نفاق کی مثال سے سمجھایا گیا جو درمیانی تو ہیں لیکن شرعی اصولوں کے مطابق محمود نہیں مذموم ہیں۔

اور محمود ومذموم کے مابین فرق کرنے کا معیار فقط اور فقط کتاب وسنت بفہم سلف امت ہے۔ اگر کوئی عمل کتاب وسنت اور منہج سلف کے مطابق محمود ہے تو وہی مبنی بر اعتدال ہے، چاہے کسی کی خواہش کے موافق ہو یا نہ ہو۔ اس لئے ہم کہیں گے کہ شادی شدہ زانی کو رجم کرنا ظلم وتشدد نہیں وسطیت واعتدال ہے۔ چور کا ہاتھ کاٹنا، شراب پینے والوں اور جھوٹی تہمت

---

(۱) [زاد المسير في علم التفسير (۱/۱۱۹)]۔
(۲) [فتح القدير: ۱/۱۷۵]۔

لگانے والوں پر کوڑے برسانا، زمین پر فتنہ وفساد برپا کرنے والوں کو کیفر کردار تک پہنچانا، اہل بدعت سے دوری اختیار کرنا، اور ان پر رد کرنا، صرف ایسے اہل علم سے دین کے مسائل سیکھنا جو منہج سلف پر گامزن ہوں عین وسطیت اور اعتدال ہے۔ اور اس کے برخلاف کوئی دوسری راہ اختیار کرنا ہی انحراف ہے چاہے اس پر وسطیت واعتدال کا خوبصورت وپرکشش غلاف ہی کیوں نہ چڑھایا گیا ہو۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے جنوبی ہند میں چل رہی "سیرت قرضاوی" کے موضوع پر ایک کانفرنس میں بعض معروف اہل علم کا خطاب سنا جو قرضاوی صاحب کو فکر اعتدال کا علمبردار باور کرا رہے تھے، حالانکہ سلفی علما کے مابین یہ مخفی نہیں کہ منہج سلف سے اعراض کرتے ہوئے قرضاوی صاحب کے گمراہ کن افکار کی فہرست کتنی طویل ہے۔ اور حکومت کے خلاف عوام کو بھڑکا کر انھوں نے کتنے معصوم جانوں کا بے دریغ خون بہانے میں اپنا گھناؤنا کردار ادا کیا ہے۔ واللہ المستعان۔

ماضی قریب میں اسی مزعوم اعتدال کے نام پر کیا کچھ گل کھلایا گیا وہ اہل علم پر مخفی نہیں۔ بطور مثال ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

مولانا مودودی نے "مسلک اعتدال" کے نام سے ایک رسالہ لکھا (جو کہ ان کی کتاب "تفہیمات" میں موجود ہے)۔ اس رسالہ میں اعتدال کی طرف دعوت دیتے ہوئے مولانا نے سنت رسول اور محدثین کے جہود کے متعلق ایسے ایسے اعتراضات اور اشکالات پیش کیے جو درحقیقت منکرین سنت کے اعتراضات ہیں۔ چنانچہ بغیر کسی اصول وضابطے کی پابندی کے محدثین کرام کے نہایت ہی ٹھوس منہج پر تنقیدیں کرتے رہے، ذوق وعقل کو ہی احادیث کی رد وقبولیت کا معیار بنایا۔ محدثین پر درایت کو نظر انداز کرکے روایت پر پورا اعتماد کرنے کی الزام تراشی کی۔ اپنے ذوق وعقل کے خلاف ہونے کی وجہ سے صحیحین کی بعض احادیث (مثلاً: ابراہیم علیہ السلام کی کذبات ثلاثہ والی حدیث، سلیمان علیہ السلام کی ایک ہی رات نوے بیویوں سے مجامعت والی حدیث، اور دجال کے مقید ہونے کے متعلق خبر دینے والی حدیث- جو حدیث جَسَّاسَہ کے نام سے مشہور ہے-) کے متعلق تشکیک کا راستہ اپنایا جو بعد میں منکرین سنت کے لیے نظیر بنا۔ خبر واحد کی ظنیت کا راگ الاپتے رہے اور پورے ذخیرۂ سنت کو ہی ایک طرح سے مشکوک کر ڈالا۔ الغرض منکرین سنت کے لیے چور دروازہ فراہم کرنے اور شک وشبہے کا بیج بونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اور ان سب کا نام رکھا "مسلک اعتدال"۔

ظاہر ہے اس اعتدال میں اور سلف صالحین کے نصوص میں موجود اعتدال میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔لہذا کہیں اس پر کشش نعرے کی پکار سنائی دے تو اس پر فریفتہ ہونے کے بجائے اسے کتاب وسنت اور منہج سلف کی کسوٹی پر پرکھنا چاہئے کہ کیا یہ حقیقت میں وسطیت واعتدال ہے یا محض اس خوبصورت نام سے امت کو گمراہ کرنے کی کوشش۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہمیں ہر طرح کے فتنوں اور شکوک وشبہات سے محفوظ رکھے، اعتدال ووسطیت پر چلنے، سلف صالحین کے منہج کو سیکھنے اور اس پر آخری سانس تک ڈٹے رہنے کی توفیق وقوت عطا فرمائے۔ آمین۔

د. عبد الرحمن اقبال البسکوہری
جامعہ اسلامیہ نور باغ ممبرا، ممبئ

تبلیغی جماعت کی حقیقت

بندہ راہ راست پر ہے یا نہیں اسکا اندازہ اس بات سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی دینی معلومات کہاں سے لے رہا ہے، اسکے اسلامی تعلیمات کا سورس اور مصدر کیا ہے، ظاہر سی بات ہے کہ جس نے اپنا دینی مصدر کتاب وسنت کو بنا رکھا ہوگا تو وہ سیدھے راستے پر ہوگا جو اسکے برعکس ہوگا وہ دین سے دور اور راہ راست سے بھٹکا ہوا ہوگا، سو جو دینی منبع ومصدر کو اختیار کرنے میں کامیاب رہا تو وہ دنیا وآخرت میں بھی کامیاب رہے گا (إن شاء اللہ)، جو اسکے برعکس رہا یعنی دینی سورس کو انتخاب کرنے میں پھسل گیا تو وہ ہمیشہ ٹھوکر کھاتا رہے گا، لہذا اس بات کا صحیح اندازہ لگانا کہ بندہ دینی امور میں کہاں تک درست ہے اسکا بڑا دارومدار "مصدر التلقی" ہے۔

ایک مسلمان پر بحثیت مسلم یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کے صحیح مصدر تک پہنچے اور دینی معلومات کو وہیں سے حاصل کرے جہاں دین کی مکمل اور صحیح جانکاری موجود ہے، بلاشک وشبہ وہ مصدر قرآن اور پیارے نبی- علیہ الصلاۃ والسلام- کی سنت یعنی صحیح احادیث ہیں۔

اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ سلف اور سلفیت کی نمایاں خصوصیات میں سے (جو انہیں منحرف فرقوں اور باطل جماعتوں سے الگ کرتی ہیں) ایک خاص اور اہم خصوصیت دینی امور کی جانکاری حاصل کرنے میں صرف اور صرف کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف رجوع کرنا بھی ہے، سلف کے منہج پر چلنے والے دین کا منبع ومصدر اسی کو مانتے اور سمجھتے ہیں جسے اللہ رب العالمین نے بذریعہ وحی انسانوں تک پہنچائی ہے، انکے دینی سورس میں نہ ہی عقل کا کوئی دخل ہے، نہ ہی من گھڑت اور جھوٹی روایات کی کوئی جگہ، نہ ہی خواب ومنامات کا کوئی تصور، اور نہ ہی باپ داداوں کی پیروی کی کوئی گنجائش ہے۔

ایک ایسی اسلامی جماعت جنکے دینی مصدر میں انحراف پایا جاتا ہے وہ جماعت تبلیغ ہے جو کتاب وسنت کو چھوڑ کر کشف، ذوق، وجدان، منامات، موضوع وضعیف روایتوں کو اپنا دینی منبع ومصدر مانتی ہے، انکے بڑے بزرگ جو سپنوں میں دیکھتے ہیں اسے دین سمجھتی ہے۔

اس جماعت کا مختصر تعارف یہ ہے کہ اس کا وجود سن ۱۹۲۶ میں حضرت مولانا الیاس کاندہلوی کے ہاتھوں "علاقہ میوات" میں ہوا، انکا مرکزی مقام "بنگلہ والی مسجد" نظام الدین اولیاء دہلی میں ہے، انکے بنیادی اصول وضوابط چھ (۶) ہیں(۱)، انکی معروف کتاب تبلیغی نصاب ہے جو آج کل فضائل اعمال کے نام سے جانی و پہچانی جاتی ہے، جسے انکے بڑے مولانا محمد زکریا صاحب نے لکھی ہے، اس جماعت کی بڑی شخصیات میں سے مولانا یوسف کاندہلوی اور مولانا انعام الحسن کاندہلوی بھی ہیں، فی الحال مولانا سعد کاندہلوی اس جماعت کے امیر ہیں، اس جماعت کا سب سے بڑا اجتماع ہر سال بنگلہ دیش میں ہوتا ہے۔

اگر جماعت تبلیغ پر ایک سرسری نظر دوڑائی جائے تو یہ بات بلکل واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ یہ جماعت مکمل طور سے خوابوں پر ٹکی ہوئی ہے، اس کی بنیاد، اسکا اجمالی و تفصیلی لائحہ عمل، انکی قرآنی تفسیرات، انکے اصول وضوابط سب کچھ خوابوں پر قائم ہیں، غرض یہ کہ یہ جماعت دین کو کتاب وسنت سے نہیں بلکہ خوابوں اور دیگر دوسرے طریقوں سے اخذ کرتی ہے۔

آیئے جانتے ہیں بانی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اس جماعت کی بنیاد کے بارے میں کیا فرماتے ہیں: وہ کہتے ہیں کہ:"میں مسجد نبوی میں بنیت اعتکاف قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اسی دوران مجھے قبر رسول سے تبلیغ کا حکم ہوا، اور مجھ سے یہ کہا گیا کہ آپ ہندوستان واپس جائیں، ہمیں وہاں پر آپ سے خدمت مطلوب ہے"(۲)، چنانچہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے وہ کچھ دن کے بعد ہندوستان لوٹ آئے۔

وہ مزید کہتے ہیں کہ:"میں وطن تو لوٹ آیا لیکن یہاں آکر میں پریشان رہنے لگا؛ کیونکہ مجھے یہ سجھائی نہیں دے رہا تھا کہ تبلیغ کی شروعات کب، کہاں، اور کیسے ہو؟ ساتھ ہی یہ الجھن بھی تھی کہ آیا میں اس عظیم ذمہ داری کو نبھا سکوں گا یا نہیں، میری زبان میرا ساتھ نہیں دیتی ہے، اور میں دعوتی میدان میں بھی کمزور ہوں وغیرہ وغیرہ"(۳)؟

---

(۱) انکا تذکرہ آئندہ سطور میں آئیگا.

(۲) دیکھئے کتاب "تاریخ دعوت وتبلیغ" ص ۵۲ و "مولانا محمد الیاس اور انکی دینی دعوت" ص ۹۰.

(۳) دیکھئے کتاب "مولانا محمد الیاس اور انکی دینی دعوت" ص ۹۱.

بانی جماعت کے بقول پھر کچھ دنوں کے بعد خوابوں اور کشوفات کا سلسلہ شروع ہوا اور دھیرے دھیرے در پیش مسائل کا حل ملنے لگا یہاں تک کہ قرآن کریم کی ان آیتوں کی مکمل تفسیر بذریعہ خواب آنے لگی جنکا تعلق دعوت و تبلیغ سے ہے، چنانچہ اس آیت کی بھی مکمل تفسیر کا کشف ہوا ﴿ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ﴾ ، جس میں یہ بات واضح ہوگئی کہ تبلیغ ایک جگہ رک کر نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کے لئے شہر شہر اور گاوں گاوں کا چکر لگانا ہو گا(۱)۔

رہی بات تبلیغی جماعت کے بنیادی اصول وضوابط کی تو اس بارے میں بھی بانی جماعت کا بیان ہے کہ انہوں نے یہ اصول خود نہیں بنائے، بلکہ انہیں بذریعہ کشف حاصل ہوا، اور انہیں اسکے نفاذ کا حکم دیا گیا(۲)۔

واضح رہے کہ یہ کل چھ (۶) اصول ہیں، جنہیں چھ صفات، چھ نمبر، اور دوسرے ناموں سے بھی جانا جاتا ہے، ہر تبلیغی پر اس کا جاننا لازمی ہے، یہی جماعت تبلیغ کا دعوتی محور ہے، تبلیغی اس کے سیکھنے اور سکھانے پر زور دیتے ہیں، چلّوں میں نکلنے وقت ان ہی کی مشق کرائی جاتی ہے، اس کی تعظیم اس قدر ہے کہ جس مجلس میں اسے سکھایا جاتا ہے، جہاں اسکی تعلیم دی جاتی ہے وہاں باوضو ہو کر بیٹھنا ہوتا ہے، بیٹھک میں بھی اس بات کا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ وہ بیٹھک عام بیٹھک کی طرح نہ ہو بلکہ تشہد میں بیٹھنے جیسی ہو۔

مذکورہ بالا عبارتوں کو بنیاد بنا کر کچھ باتیں نقاط کے شکل میں پیش کی جارہی ہیں تاکہ یہ بات مزید واضح ہو جائے کہ جماعت تبلیغ منحرف، راہ حق سے بھٹکی اور ایک باطل جماعت ہے۔

وہ نقاط مندرجہ ذیل ہیں:

۱- شریعت کا ایک بہت معروف قاعدہ ہے" ما بني على باطل فهو باطل" کہ جسکی بنیاد باطل پر ہو تو وہ باطل ہوتا ہے، پس اگر وضو باطل ہو تو نماز بھی باطل ہو گی، اس قاعدے کی رو سے جماعت تبلیغ کا باطل ہونا کنفرم ہو جاتا ہے؛ کیونکہ اس

---

(۱) دیکھئے کتاب "ملفوظات مولانا محمد الیاس" ۵۱-۵۲.

(۲) دیکھئے کتاب "تبلیغی تحریک کی ابتداء اور اس کی بنیادی اصول" ۳۹-۴۰.

کی بنیاد صوفیوں کے باطل افکار اور انکے غلط نظریات کشف والہام پر ہے۔

۲- وحی کی قسموں میں سے ایک قسم یہ بھی ہے کہ اللہ رب العالمین اپنے چنندے بندے یعنی انبیاء- علیہم السلام- کو خواب میں کوئی پیغام دے اور اس پر عمل کرنے کو کہے، جیسا کہ ابراہیم -علیہ السلام- کو خواب کے ذریعے یہ حکم دیا کہ وہ اسماعیل -علیہ السلام- کو اسکی راہ میں ذبح کر دیں۔

اب اگر کوئی اس سسٹم کو اپنے اوپر جانے انجانے میں فٹ کرے تو اس سے کیا سمجھا جا سکتا ہے، کیا یہ نبوت کے دروازے کو دستک دینے والی بات نہیں ہے؟ کیا یہ ایک غلط فکرہ نہیں ہے؟ کیا اسطرح کا اعتقاد باطل نہیں ہے؟ بانی جماعت نے بہت کھلے انداز میں اسطرح کی باتیں کی ہیں کہ "مجھے بذریعہ خواب حکم دیا گیا"، "یہ اصول وضوابط مجھے الہام ہوئے ہیں"، "یہ مجھے کشف کے ذریعہ حاصل ہوا ہے" وغیرہ وغیرہ۔

۳- دین مکمل ہو جانے کے بعد کشف والہام کو دینی معاملات میں جگہ دینے کا مطلب دین کا استدراک اور یہ گمان کرنا ہے کہ ابھی دین میں کچھ اچھی چیزوں کے داخل کرنے کی گنجائش باقی ہے، اور بلا شبہ ایسی کوئی بھی سوچ جس سے دین کا استدراک کرنا ظاہر ہو وہ بہت خطرناک ہے، ایسا عقیدہ رکھنے والا ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھ سکتا ہے۔

۴- یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ رب العالمین کی طرف سے دکھائے جانے والے خواب صرف بانی جماعت کے ساتھ خاص ہے؟ کیا انکے علاوہ کسی اور کو ایسا خواب نہیں دیکھایا جا سکتا؟ اگر خاص ہے تو کیوں؟ اور عام ہے تو انکے خواب کو اتنی اہمیت کیوں؟

سچ بات تو یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے آنے والے خواب اللہ کے مرضی سے ہوتے ہیں، اسمیں نہ ہی بندوں کا کوئی دخل ہوتا ہے، اور نہ ہی انکے اعمال کا، نہ ہی درود اور مخصوص وردوں کا، نہ ہی تصوف کے مراحل اور صوفیوں کے ہدایات وارشادات کا، اس کا دارومدار صرف اور صرف اللہ کی مشیت پر ہوتا ہے، وہ کسی حکمت کے تحت جب چاہتا ہے جسے چاہتا ہے اسے خواب دکھلاتا ہے(۱)۔

---

(۱) معلوم ہونا چاہیے کہ خواب تین ٹائپ کے ہوتے ہیں: ایک تو من جانب اللہ، دوسرا شیطان کی طرف سے، جبکہ تیسرا ذہن کے اسکرین پر چلنے والی دین بھر کے اکٹیویٹیز، یہاں پر بات پہلے خواب کے تعلق سے ہے۔

۵- اگر خواب والہام کا دروازہ ایسے ہی کھول دیا جائے جیسے بانی جماعت نے کھولا ہے، تو پھر اسلامی شریعت اور اسکے مصادر کا کوئی معنی نہیں رہ جاتا، اور نہ ہی دین اسلام کی کوئی حقیقت باقی رہ جاتی؛ کیونکہ ہر آدمی کا اپنا اپنا خواب اور ان خوابوں میں آیا ہوا انکا اپنا اپنا طریقہ ہی گویا انکی شریعت ہوگی۔

۶- اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بندے کی بنیاد جس عقیدہ و منہج پر پڑتی ہے، اس کا اثر واضح طور سے اسکے افکار و نظریات اور اسکے روزمرہ کے معمول میں دیکھائی دیتا ہے، اسلئیے آپ دینی امور میں شیعہ کو شیعیت، خارجی کو خارجیت، جہمی کو جہمیت، اشعری وماتریدی کو اشعریت وماتریدیت، صوفی کو صوفیت، اور قبوری کو قبروں سے محبت کی بات پیش کرتے اور اسکی طرف دعوت دیتے ہوئے پائیں گے، لہذا بانی جماعت کے افکار وخیالات سے تبلیغی جماعت کا متأثر ہونا کوئی تعجب خیز بات نہیں۔

رہی بات بانی جماعت کے عقیدے اور منہج کی تو انکے سوانح حیات میں کھلے الفاظ میں یہ بات ملتی ہے کہ وہ صوفی تھے، صوفیت کا طور وطریقہ ہی انکا اوڑھنا بچھونا تھا، صوفیت کے راستے پر چلتے ہوئے انہوں نے پہلے شیخ رشید احمد گنگوہی اور پھر انکے وفات کے بعد شیخ خلیل احمد سہارنپوری کے ہاتھوں بیعت کی۔

بانی جماعت کے روزمرہ کے معمول کا جائزہ لیا جائے، تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ قبروں کی زیارت میں شرعی حدود سے بلاتر ہوکر صوفیوں کے بنائے ہوئے منہج کے مطابق بزرگوں سے محبت کے نام پر انکی قبروں پر گھنٹوں بیٹھے رہتے تھے؛ تاکہ قبر میں موجود شخصیت سے انہیں کچھ فیوض وبرکات حاصل ہوسکے (۱)۔

مذکورہ بالا باتوں سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ در حقیقت جماعت تبلیغ صوفیت کی خدمت اور اسے بڑھاوا دینے کا کام کرتی ہے، اصل اسلام اور دین حق سے اسکا دور دور تک کوئی تعلق نہیں۔

یہاں یہ بات ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ ہماری شریعت نے قبرستان کی زیارت کا صحیح طریقہ بتایا ہے، اس پر ابھارا بھی ہے اور ساتھ ہی اسکا مقصد بھی بیان کردیا ہے کہ اسکے ذریعے موت کو یاد کیا جائے اور آخرت کی تیاری کی جائے، یہی نہیں بلکہ آپ

(۱) دیکھئے کتاب "جماعة التبليغ في الهند" لمحمد جنيد عبد المجيد ص: ۱۳۹-۱٤۰.

-صلی اللہ علیہ وسلم- نے عملی طور پر کرکے بھی دیکھایا ہے؛ چنانچہ حدیثوں میں اس بات کا تذکرہ موجود ہے کہ آپ -صلی اللہ علیہ وسلم- بقیع الغرقد کی زیارت کیا کرتے تھے، اور کیسے کرتے تھے اسکا بھی مکمل ذکر موجود ہے۔

آپ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی سیرت سے زیارت کا جو طریقہ ملتا ہے، وہ صوفیوں کے یہاں رائج طریقے سے بلکل ہٹ کر ہے، قبروں پر جاکر سورۃ فاتحہ پڑھنا، مردوں کو بخشوانے کے لئے گن گن کر سورۃ اخلاص کا ورد کرنا، صاحب قبر سے فیوض وبرکات حاصل کرنے کی غرض سے زیارت کرنا، سیرت نبوی میں ان ساری چیزوں کا کہیں بھی ثبوت نہیں ملتا۔

صحابہ کرام -رضی اللہ عنہم- بھی وقتاً فوقتاً قبر رسول -صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیا کرتے تھے، لیکن اسی طرح جس طرح سے آپ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے انہیں سیکھایا تھا، انکی زیارت، قبر اور صاحب قبر سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے نہیں، بلکہ موت اور آخرت کو یاد کرنے کے لیے ہوا کرتی تھی، نہ ہی وہ قبر پر کھڑے ہوکر سورۃ فاتحہ پڑھتے، اور نہ ہی وہاں بیٹھ کر صاحب قبر سے فیوض حاصل کرتے، اسکے بر خلاف اہل بیت سے یہ روایتیں ملتی ہیں کہ اگر وہ کسی شخص کو آپ کی قبر کے ارد گرد چکر لگاتے یا زیادہ دیر تک رکے ہوئے دیکھتے تو مشفقانہ انداز میں سمجھاتے اور اس عمل سے منع کرتے تھے(۱)۔

بھلا بتائیں جو نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کی سنت کو چھوڑ کر صوفیت کے راستے کو اپنائے، اور پھر وہ کسی جماعت کی بنیاد رکھے، تو کیا وہ جماعت حق پر ہو سکتی ہے؟!

۷- اولیاء اللہ اور ذو علم شخصیات سے محبت کرنا ایک مستحسن عمل ہے، شریعت اسلامیہ نے بزرگوں سے محبت کرنے پر کافی زور دیا ہے، انکی عزت وتکریم پر ابھارا ہے، انکے ساتھ ہمدردی سے پیش آنے کو کہا ہے، انکی ضروریات کو پورا کرنے کی ترغیب دی ہے۔

---

(۱) عوام کے درمیان کچھ ایسے واقعات پائے جاتے ہیں جس سے لگتا ہے کہ آپ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی قبر شریف تک پہنچنا عام بات ہے, یا آپ کی قبر اوپن جگہ پر ہے جہاں کوئی بھی آجا سکتا ہے, حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے پ کیونکہ سارے مسلمان اس بات کو بہت اچھی طریقے سے جانتے ہیں کہ آپ کی قبر پہلے ہی دن سے اماں عائشۃ -رضي الله عنها- کے گھر میں تھی, اور آج بھی اسکی صورت حال ویسے ہی ہے, بلکہ في الحال حجرہ عائشۃ -رضي الله عنها- کے ارد گرد ایک سے زائد بونڈریاں ہیں, لہذا اسطرح کے کوئی بھی قصے اور واقعات جس میں آپ کی قبر تک پہنچنے اور وہاں پر بیٹھنے کی بات کی جائے تو وہ سرے سے باطل ہے.

رہا تبلیغی جماعت کی اپنے اکابرین سے محبت کی بات تو وہ غلو اور شخصیت پرستی ہے، اسکی ادنی سی مثال بانی جماعت کے اس عمل سے ملتی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: "میں شیخ رشید احمد گنگوہی کی زیارت کے لئے آدھی رات کو اٹھ کر انکے پاس صرف اس وجہ سے جاتا تھا؛ تاکہ انکے چہرے کا دیدار کر سکوں"، ذرا بتائیں اسے غلو نہیں تو اور کیا کہیں گے ؟!

یہاں ایک بات سمجھ نہیں آتی کہ یہ اکابرین اپنے ان جیسے واقعات کو نشر کرکے عوام کو کیا پیغام دینا چاہتے ہیں، لوگوں کو کس چیز کی دعوت دینا چاہتے ہیں، آخر محبت بھری ان باتوں کا کوئی مقصد تو ضرور ہو گا، اگر نہیں ہے تو ان واقعات کو کتابوں میں لکھ کر پبلک کے درمیان نشر کرنے کا راز کیا ہو سکتا ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ اسکا راز پیری ومریدی اور صوفیت کو بڑھاوا دینے میں چھپا ہوا ہے۔

اور بلاشبہ جو تصوف اور صوفیت کو فروغ دے وہ حق پر نہیں ہو سکتا۔

۸- تبلیغی جماعت کی مقدس اور مصدر کی حیثیت رکھنے والی کتاب "فضائل اعمال" ہے، تبلیغی اسے صحیح بخاری پر ترجیح دیتے ہیں، اپنی مساجد ومجالس میں اسے سیکھتے، سیکھاتے، اور بڑی اہمیت دیتے ہیں، جبکہ اس کتاب کی حقیقت یہ ہے کہ اس میں ضعیف، موضوع اور ایسی روایات کی بھرمار ہے جو شریعت کے بلکل مخالف ہے، بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ یہ باطل عقائد کو تقویت دینے میں مددگار ہے تو غلط نہیں ہو گا، اس میں بہت سی ایسی باتیں موجود ہیں جو عقائد میں بگاڑ پیدا کرنے کا سبب ہیں، ان میں سے صرف ایک بات کا تذکرہ بطور مثال پیش خدمت ہے۔

اس کتاب میں موضوع روایات کا سہارا لیکر آپ -صلی اللہ علیہ وسلم- کو وجہ تخلیق کائنات کہا گیا ہے(۱)، یہ غلط عقیدہ ثابت کرنے کی کوشش کی گی ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے تو اللہ رب العالمین مخلوقات کو پیدا نہیں کرتا، اور یہی عقیدہ انکے درمیان پھیلا ہوا ہے۔

اس قوم کا عجیب مسئلہ ہے کہ اگر کوئی بات انکے مزاج سے میل نہیں کھاتی ہے، تو اسے رد کرنے کے لئے انکے پاس ہزار تدبیریں ہوتی ہیں، وہ صحیح عقائد کو کبھی قطعی الدلالۃ اور ظنی الدلالۃ کے اصول کے ذریعے، کبھی خبر آحاد ومتواتر کے درمیان تفریق کے بہانے، کبھی تاویل کا سہارا لیکر، کبھی تفویض کو آڑ بنا کر بڑے ہی آسانی سے رد کر دیتے ہیں، جبکہ جو بات

(۱) دیکھئے کتاب "فضائل ذکر ۹۵-۹۶.

انکے مزاج کے مطابق ہوتی ہے اسے آنکھ بند کرکے قبول کرلیتے ہیں، چاہے وہ موضوع ہو، من گھڑت ہو، خواب ہو، اشعار ہو، یا پھر کسی مجہول شخص کا قصہ۔

قرآن کریم میں بہت سی آیتیں ہیں جسمیں جن وانس اور دوسری مخلوقات کی تخلیق کا مقصد ذکر کیا گیا ہے جو کہ نہایت ہی واضح اور آسان ہیں، اسے ایک عام آدمی بھی سمجھ سکتا ہے، اللہ رب العالمین کا فرمان ہے: ﴿ وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴾ کہ میں نے جنات اور انسانوں کو محض اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں، اور ایک جگہ ارشاد فرمایا: ﴿ ٱللَّهُ ٱلَّذِى خَلَقَ سَبْعَ سَمَٰوَٰتٍ وَمِنَ ٱلْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ ٱلْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ ٱللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَىْءٍ عِلْمًا ﴾ کہ اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان اور اسکے مثل سات زمینیں پیدا کیا ہے، اسکا حکم ان کے درمیان اترتا ہے، تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اور اللہ تعالی نے ہر چیز کو بہ اعتبار علم گھیر رکھا ہے۔

ان آیات میں اللہ رب العالمین خبر دے رہا کہ اس نے مخلوقات کو اس لئے پیدا کیا ہے؛ تاکہ وہ اسکی قدرت کو جان لیں، اسکی صفات کو پہچان لیں، اور اسکی عبادت کریں، لیکن چونکہ ان آیتوں کا پیغام تبلیغی اور انکے ہم نواوں کے من وموافق نہیں ہے؛ اسلئیے اس پر موضوع احادیث کو ترجیح دیتے ہیں۔

۹- تبلیغی جماعت کے جو چھ اصول ہیں اگر انکا صحیح سے جائزہ لیا جائے تو اس میں یہ بات نظر آتی ہے کہ وہ اصول لکھنے، بولنے میں کچھ، اور حقیقت میں کچھ اور ہیں، آیئے اس سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پہلا اصول: کلمہ طیبہ کی تشریح: بلاشک کلمہ طیبہ وہ کلمہ ہے جسکے ذریعے اسلام میں داخل ہوا جاتا ہے، اس کلمہ میں رب العالمین نے وہ قوت رکھی ہے کہ اگر گناہوں میں ڈوبا ہوا شخص اسے صدق دل سے پڑھا ہو تو وہ بھی جنت میں داخل ہو سکتا ہے، لہذا اس کے معنی مفہوم کو جاننا نہایت ہی ضروری ہے، کیونکہ اگر کوئی اسے سمجھنے میں گڑبڑی کرتا ہے تو وہ توحید کو شرک، اور شرک کو توحید تصور کرے گا۔

تبلیغی جماعت کلمہ طیبہ کی تشریح کو اپنا پہلا اصل مانتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی تشریح وتفسیر میں انکے یہاں خلل وانحراف پایا جاتا ہے جو کہ بہت بڑا خلل ہے، وہ اسکی تشریح متکلمین کے منہج پر کرتے ہیں جنکے یہاں توحید الوہیت کا کوئی

معنی نہیں، لہذا ایسی صورت میں تبلیغیوں کے یہاں شرک کا پایا جانا کوئی تعجب خیز بات نہیں، یہ جس توحید پر اپنی طاقت صرف کرتے ہیں وہ توحید ربوبیت ہے جسکا اقرار کفار مکہ بھی کرتے تھے، اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے: ﴿ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ وَسَخَّرَ ٱلشَّمْسَ وَٱلْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ ٱللَّهُ ﴾ کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ ان (کفار مکہ) سے دریافت کریں کہ زمین وآسمان کا خالق اور سورج اور چاند کو کام میں لگانے والا کون ہے؟ تو ان کا جواب یہی ہو گا کہ اللہ تعالی، دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ﴿ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّن نَّزَّلَ مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءً فَأَحْيَا بِهِ ٱلْأَرْضَ مِنۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ ٱللَّهُ ﴾ کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ ان (کفار مکہ) سے سوال کریں کہ آسمان سے پانی اتار کر زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کس نے کیا؟ تو یقیناً ان کا جواب یہی ہو گا کہ اللہ تعالی نے، ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ﴿ قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ ٱلسَّمَآءِ وَٱلْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ ٱلسَّمْعَ وَٱلْأَبْصَٰرَ وَمَن يُخْرِجُ ٱلْحَىَّ مِنَ ٱلْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ ٱلْمَيِّتَ مِنَ ٱلْحَىِّ وَمَن يُدَبِّرُ ٱلْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ ٱللَّهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴾ کہ آپ کہئے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے، یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے، اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے، اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے، اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے، ضرور وہ یہی کہیں گے کہ "اللہ" تو ان سے کہیے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے؟

یہ آیتیں واضح طور سے بتا رہی ہیں کہ مشرکین (کفار مکہ) اللہ تعالی کی مالکیت، خالقیت، ربوبیت اور اسکے مدبر الأمور ہونے کو تسلیم کرتے تھے۔

شیخ محمد یوسف کاندہلوی "لا إله إلا الله" کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ توحید یہ ہے کہ بندہ یہ اعتقاد رکھے کہ کائنات میں تصرف کا حق صرف وصرف اللہ کا ہی ہے، ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ: "اللہ کے علاوہ کوئی صانع نہیں"، ایک اور جگہ رقم طراز ہیں کہ اللہ ہی ہر چیز کا موجد (ایجاد کرنے والا) ہے (۱)۔

(۱) دیکھئے کتاب "حضرت جی کی یادگار تقریریں" ص: ۸۱.

کیا یہ وہی باتیں نہیں ہیں جسکا اعتقاد کفار مکہ بھی رکھتے تھے ؟ لہذا جو سلف کے منہج سے ہٹ کر متکلمین کے راستے پر چلے گا وہ کھائی میں گرے گا اور دوسروں کو بھی اپنے ساتھ اس میں لے جائیگا، ساتھ ہی موحدین کو کفار اور کفار کو موحدین گردانے گا، سو پتہ یہ چلا کہ تبلیغی جماعت کا پہلا اصول ہی انکی سب سے بڑی خامی ہے (۱)۔

دوسرا اصول: نماز قائم کرنا: یہ اصل دیکھنے اور سننے میں نماز کی اہمیت کو ظاہر کر رہا ہے جو کہ صحیح بھی ہے، لیکن حقیقت میں یہ نماز فرمان رسول " صلوا كما رائتموني أصلي " کی طرح نہیں ہے، بلکہ یہ کسی خاص مذہب کی نماز ہے، انکی شروع نماز سے لیکر آخری نماز تک، شاید ہی کوئی عمل ایسا ہو جو صحیح بخاری میں موجود کسی حدیث سے موافقت رکھتا ہو، کتب احادیث میں صحیح بخاری کا کیا درجہ ہے اسے بچہ بچہ جانتا ہے، اب اگر کوئی نماز ایسی ہو جسکا کوئی عمل "اصح الكتب بعد كتاب الله" میں موجود نہ ہو، تو کیا وہ نماز محل نظر ہے یا نہیں؟ کیا نماز قائم کرنے کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ وہ نماز، نماز نبوی کی طرح نہ ہو؟

تیسرا اصول: حصول علم اور ذکر ہے: اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیاوی ترقی، آخروی کامیابی، بلکہ دونوں جہان میں سرخ روئی کے لئے علم بہت ضروری ہے، علم کے بغیر نہ ہی رب کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے، اور نہ ہی دینی احکامات کی صحیح جانکاری مل سکتی ہے، غرض یہ کہ علم کی بڑی اہمیت ہے، لیکن تبلیغیوں کے یہاں یہ اصول مجرد ایک دعوی ہے، وہ اس لئیے کہ یہ علم کے نام پر لاعلمی پھیلاتی ہیں، انکے پاس جو تھوڑا بہت علم ہے وہ فضائل اعمال میں موجود موضوع روایات، یا مزعوم اولیاء کے حکایات سے ماخوذ ہے، یہ اسکو سیکھتے سکھاتے ہیں، علم کے نام پر اسکو فروغ دیتے ہیں، شرعی علم سے انکا رشتہ نہ کے برابر ہے۔

رہی ذکر کی بات تو یہ شرعی اذکار پر صوفیوں کے بدعتی اذکار کو ترجیح دیتے ہیں، یہ ذکر واذکار کو دینی مصدر سے نہیں بلکہ

---

(۱) معلوم ہونا چاہے کہ تبلیغی جماعت اور انکے اکابرین توحید کے باب میں سلف کے منہج کی اتباع نہیں کرتے، وہ اس باب میں اہل کلام کے منہج کو اختیار کرتے ہیں، اسلئیے متکلمین کی خامیاں یہاں بھی پائی جاتی ہے، وہ بھی توحید الوہیت کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور یہ بھی، انکے یہاں بھی توحید ربوبیت میں خلل ہے، انکے یہاں بھی، وہ اسماء وصفات میں اسماء وصفات کی نفی کرتے ہیں اور یہ بھی اشعری وماتریدی منہج کو اپناتے ہوئے اکثر صفات کی نفی کرتے ہیں.

شیخ طریقت سے لیتے ہیں، اور اسکا "ورد" بھی انکے بتائے ہوئے طریقے پر کرتے ہیں، انکے اذکار کا مقصد بھی کچھ اور ہوتا ہے، وہ اسکے ذریعے اللہ کو یاد کرنے کے بجائے صوفیت کے مراحل کو طے کرنا چاہتے ہیں، وہ "ھو، ھو، ھو" کی رٹ اس غرض سے لگاتے ہیں تاکہ انکے دلوں میں اللہ کا حلول بآسانی ہوسکے. نعوذ باللہ أن نكون منهم۔

چوتھا اصول: مسلمان کی عزت وتکریم کرنا: اس بات کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دین اسلام نے کلمہ گو انسان کو عزت بخشنے کی ترغیب دی ہے، مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا ہے، ایک دوسرے سے محبت کرنے پر ابھارا ہے، ہر ایک پر بحیثیت مسلم بہت سارے حقوق عائد کئے ہیں، لہذا اسکا خیال رکھنا ضروری ہے۔

تبلیغی جماعت کے یہ اصول دیکھنے میں اس بات کی طرف ہی اشارہ دیتا ہے، لیکن حقیقت اور انکے ظاہری اعمال کچھ اور کہتے ہیں، انکے سلوک کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ یہ مسلمانوں کی عزت کی بات نہیں بلکہ تبلیغیوں کی عزت کی بات کرتے ہیں، غیروں (غیر تبلیغی) کے ساتھ انکا رویہ اس قدر تکلیف دہ ہوتا ہے کہ اسے دیکھ اور سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، کبھی یہ مسلم بھائیوں کو دہشت گردی کے الزام میں جیل میں داخل کروانے کی ناپاک سازشیں کرتے ہیں، کبھی مار پیٹ اور دکھا دیکر کسی کو مسجد سے باہر نکال دیتے ہیں، اگر کسی نے ان سے فضائل اعمال کی جگہ سورۃ فاتحہ کی تفسیر یا صحیح بخاری کی تشریح کی بات کہہ دی تو اسے نوچ کھانے کو دوڑتے ہیں۔

یہ ایسی قوم ہے جو دوسرے مسالک کی مسجدوں کا احترام نہیں کرتی، بسا اوقات انکے تعمیرات کے وقت روڑے اٹکانے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہے، یہی نہیں بلکہ بعض جگہوں پر انہوں نے مسجدیں توڑی بھی ہیں، سو جن کے یہاں اللہ کے گھر کا احترام نہیں انکے منھ سے مسلمانوں کی عزت کرنے والی بات اچھی نہیں لگتی۔

یہ قوم خود کے بنائے ہوئے اس ضابطے کو اپنے درمیان نافذ نہیں کرتی، دو چار سے پہلے بنگلہ دیش میں انہوں نے جو حرکت کی ہے وہ اسکی زندہ مثال ہے، وہاں ایک اجتماع کے موقع پر جمع ہوکر انہوں نے اجتماع گاہ کو میدان جنگ بنادیا، بیچ سڑک پر ایک دوسرے پر لاٹھی ٹنڈے برسائے، لات گھونسے چلائے، پتھر بازی کی، بڑے بزرگوں کو مار کر انکے سر پھوڑے، انہیں لہولہان کردیا(۱)۔

(۱) دیکھیں یوٹیوب پر یہ کلپ "بنگلہ دیش کا تبلیغی اجتماع بنا میدان جنگ" Bangladesh me tabligi ejtima me jang.

پانچواں اصول: نیت کی اصلاح: نیت کی اصلاح کے خاطر جد وجہد کرنا بہترین کاوش ہے، لیکن نیت کی درستگی کے ساتھ ساتھ اعمال کی درستگی پر زور دینے کی ضرورت ہے؛ کیونکہ اللہ کے یہاں وہی اعمال مقبول ہوتے ہیں جو اللہ کی رضا کے خاطر اور آپ-صلی اللہ علیہ وسلم-کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہوں، بدعت کو نظر انداز کر کے نیت کی اصلاح کی بات کرنا بے سود ہے۔

چھٹا اصول: اللہ کے راستہ میں نکلنا: یہ انکا آخری اصول ہے جو کہ شرعی اصطلاح "فی سبیل اللہ" کی واضح تحریف ہے، انہوں نے سیاحت اور سیر و تفریح کو اللہ کے راستے میں نکلنے سے تعبیر کیا ہے، کہاں اللہ کے راستے میں جہاد جیسا عظیم شرعی عمل اور کہاں یہ بدعتی سیاحت، قرآن کریم میں "فی سبیل اللہ" کئی بار استعمال ہوا ہے، لیکن کہیں اس معنی میں نہیں آیا جس معنی میں تبلیغی حضرات لیتے ہیں۔

ان سارے اصول وضوابط پر نظر ڈالنے کے بعد یہ پتہ چلا کہ انکے مذکورہ بالا قواعد ہاتھی کے دانت کے مانند ہیں، جو دکھانے میں کچھ اور کھانے میں کچھ اور ہیں، یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ان اصولوں کو بیان کرنے میں علمی خیانت کی گئی ہے؛ کیونکہ ریسرچ سے یہ بات کلئیر ہو جاتی ہے کہ یہ فکر صوفی بدیع الزماں ترکی کی ہے نہ کہ بانی جماعت مولانا محمد الیاس کا۔

مولانا نے یہ فکر بدیع الزمان ترکی سے اخذ کیا، اور موقع ہاتھ لگتے ہی اسے تبلیغی جماعت کا اصول بنا دیا، بغیر کہیں اس بات کا ذکر کئے ہوئے کہ یہ باتیں میں نے بدیع الزمان ترکی سے لی ہیں، رہی بات الہام والی تو وہ مارکیٹینگ کے لئے کہی گئی ہے۔

خلاصہ: تبلیغی جماعت ایک منحرف جماعت ہے جو کہ صوفیت کو فروغ دینے میں اہم کردار نبھاتی ہے، ان کا دینی سورس بزرگوں کا خواب ہے، انکی مقدس کتاب موضوع، من گھڑت، اور غیر منطقی قصوں کہانیوں سے بھری پڑی ہے، انکے یہاں توحید کو سمجھنے میں خلل ہے، اسی وجہ سے شرک، انہیں شرک نہیں لگتا، انکے اصول وضوابط علمی خیانت کے ساتھ ساتھ، شرعی اصطلاحات کی مخالفت، اور بدعات کو رواج دینے پر مشتمل ہیں، اسکی مثال ڈھول کے مانند ہے جو اوپر سے دیکھنے میں خوبصورت اور مضبوط دیکھائی دیتا ہے، جبکہ اندر سے بدصورت، کھوکھلا اور بے دم ہوتا ہے، اگر تبلیغی اور تبلیغی جماعت سے متاثر شخص صرف اس بات پر غور کرلے کہ وہ جس جماعت کا ساتھ دے رہا ہے، وہ کسی دوسرے کا دیکھا ہوا سپنہ اور خواب ہے، تو وہ

اس جماعت کو چھوڑ کر راہ حق کی تلاش میں نکل پڑے گا. اللہ رب العالمین ہمیں دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے، پکا سچا مسلمان بنائے، جب تک زندہ رکھے اسلام پر زندہ رکھے، اور ہمارا خاتمہ ہو تو ایمان پر ہو، آمین۔

جماعت تبلیغ کے بارے میں مزید جانکاری حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ کریں:

۱-جماعة التبليغ في الهند، دراسة تقويم، لمحمد جنيد عبد المجيد.

۲ – جماعة التبليغ عقائدها وتعريفها، للأستاذ أبي أسامة سيد طالب الرحمن.

۳ – القول البليغ في التحذير من جماعة التبليغ، للشيخ حمود التويجري.

حافظ علیم الدین یوسف
جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ: فضیلت، خلافت اور روافض کے بعض شبہات (قسط اول)

نام ونسب:

آپ کا نام عبد اللہ بن عثمان بن عامر القرشی التیمی ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب چھٹی پشت میں نبی اکرم ﷺ سے ملتا ہے۔ آپ کی کنیت ابو بکر ہے۔

القاب حمیدہ:

ابو بکر رضی اللہ عنہ کو متعدد القاب سے نوازا گیا ہے، اور تمام القاب آپ کے عظیم المرتبت ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

۱۔ العتیق۔ یہ لقب آپ کو نبی اکرم ﷺ نے عطا فرمایا تھا، فرمان نبوی ﷺ ہے: ''أنت عتيق الله من النار''. (آپ جہنم سے اللہ کے آزاد کئے ہوئے شخص ہیں)۔ (۱)

۲۔ الصدیق۔ یہ بھی نبی اکرم ﷺ کا دیا ہوا لقب ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ احد پہاڑ پر چڑھے، آپ کے ساتھ ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین بھی تھے، پہاڑ لرزنے لگا، تو

(۱) (ترمذی: ۳۶۷۹)۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے سلسلہ صحیحہ میں صحیح قرار دیا ہے۔ (۱۵۷۴)۔

آپ ﷺ نے فرمایا: «اثبُتْ أُحُدُ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ، وَصِدِّيقٌ، وَشَهِيدَانِ»۔ (احد! ثابت ہو جا، کیوں کہ تمہارے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں)۔ (۱)

آپ کی ولادت:

مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کی ولادت عام الفیل کے بعد ہوئی، البتہ سن ولادت کی تحدید میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

آپ مردوں میں اسلام قبول کرنے والوں میں سب سے پہلے ہیں، جب نبی اکرم ﷺ نے اپنی دعوت آپ کے سامنے پیش کی تو آپ نے بلا تردد، بلا تامل اور بغیر کسی تاخیر کے آپ کی دعوت پر لبیک کہا۔ آپ کی خصوصیات میں سے ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے کبھی بھی حتی کہ قبل از اسلام بھی بتوں کی عبادت نہیں کی، نہ کبھی شراب کو ہاتھ لگایا اور نہ ہی کسی قسم کی کوئی معیوب صفت آپ کے اندر تھی۔

نبی اکرم ﷺ سے آپ کی محبت بڑی بے مثال تھی، ایک بار کا واقعہ ہے کہ جب علی الاعلان دعوت کے کام کی ابتدا کی تو کفار نے آپ کو بہت مارا، آپ کا چہرہ خون سے بھر گیا، آپ کی حالت دیکھ کر سب یہ کہنے لگے کہ اب ان کے زندہ رہنے کی کوئی امید نہیں، مگر جب اللہ کے فضل و کرم سے آپ کو افاقہ ہوا تو پہلا سوال کیا کہ: نبی اکرم ﷺ کیسے ہیں؟ پھر اپنی والدہ سے کہا کہ جب تک نبی اکرم ﷺ سے ملاقات نہیں کر لیتا اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ ہی پانی کا ایک گھونٹ بھی پیوں گا۔ پھر اسی بیماری کے عالم میں دو لوگوں کے سہارے آپ ﷺ کی خیریت دریافت کرنے ان کے پاس گئے۔

جب اسراء و معراج کا واقعہ پیش آیا تو کفار نے آپ ﷺ کا خوب مذاق اڑایا، بعض مشرکین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ دیکھو تمہارا ساتھی ایسا ایسا کہتا ہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواباً کہا کہ: میں تو اس بھی بڑی باتوں میں آپ ﷺ کی تصدیق کر سکتا ہوں، اور جب نبی اکرم ﷺ نے اسراء کی بات کی ہے تو آپ نے بالیقین سچ کہا ہے۔ اسی کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "لما أسري بالنبي صلى الله عليه وسلم إلى المسجد الأقصى أصبح يتحدث الناس بذلك ، فارتد ناس ممن كان آمنوا به وصدقوه، وسعى رجال من المشركين إلى أبي

---

(۱) (صحیح بخاری: ۳۶۷۵)۔

بكر رضي الله عنه، فقالوا : هل لك إلى صاحبك يزعم أنه أسري به الليلة إلى بيت المقدس؟ قال : أوقال ذلك؟ قالوا : نعم، قال : لئن قال ذلك لقد صدق، قالوا : أو تصدقه أنه ذهب الليلة إلى بيت المقدس وجاء قبل أن يصبح؟ فقال : نعم، إني لاصدقه في ما هو أبعد من ذلك أصدقه في خبر السماء في غدوة أو روحة، فلذلك سمي أبا بكر الصديق رضي الله عنه".(۱)

(جب اسرا اور معراج کی رات نبی اکرم ﷺ کو مسجد اقصی کی سیر کرائی گئی تو لوگ دوسرے دن اس کے بارے میں چہ مگوئیاں کرنے لگے، کچھ (کمزور) ایمان والے لوگ دین سے مرتد ہو گئے، چند ایک مشرکین نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھی ورغلانے کی کوشش کی، کہنے لگے کہ: تم اپنے ساتھی کے بارے میں کہتے ہو، وہ تو یہ دعوی کر رہے ہیں کہ رات انہیں بیت المقدس کی زیارت کروائی گئی ہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ یہ سن کر کہا: کیا یہ بات انہوں نے کہی ہے؟ مشرکین نے کہا ہاں، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو کہا کہ: اگر آپ ﷺ نے یہ کہا ہے تو سچ کہا ہو گا۔ مشرکین نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: کیا تم اس بات کی تصدیق کرتے ہو کہ وہ رات میں بیت المقدس گئے اور صبح ہونے سے قبل ہی واپس بھی آ گئے؟ ابو بکر رضی اللہ نے کہا: ہاں، میں تو اس سے بھی بعید باتوں میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں، میں تو اس بات کی بھی تصدیق کرتا ہوں کہ صبح وشام ان کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں۔ چنانچہ اسی دن سے آپ کا لقب صدیق رکھ دیا گیا۔)

آپ کے فضائل:

ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت مسلمانوں کے نزدیک ایک مسلمہ امر ہے، آپ کا تذکرہ اللہ رب العالمین نے اپنی کتاب میں "ثاني اثنين" کے الفاظ کے ساتھ کیا ہے، زندگی کے ہر موڑ پر آپ ﷺ کے شانہ بشانہ کھڑے رہ کر آپ کی قوت بنے رہے، ہجرت کے عظیم اور پر خطر موقع پر نبی اکرم ﷺ نے اپنی رفاقت کے لئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ہی منتخب فرمایا، یہی وجہ ہے کہ متفقہ طور پر تمام صحابہ کرام آپ کے افضل ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت

(۱) (المستدرک علی الصحیحین: ۴۴۰۷)۔

ہے، انہوں نے فرمایا کہ: «كنا نخير بين الناس في زمن النبي صلى الله عليه وسلم فنخير أبا بكر، ثم عمر بن الخطاب، ثم عثمان بن عفان رضي الله عنهم».(۱)

(رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک ہی میں جب ہمیں صحابہ کرامؓ کے درمیان انتخاب کے لیے کہا جاتا تو ہم سب سے افضل اور بہتر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو قرار دیتے، پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا درجہ آتا تھا۔)

اسی مفہوم کی ایک دوسری روایت کے الفاظ کچھ اس طرح سے ہیں: "كنا نتحدث على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم: أن خير هذه الأمة بعد نبيها: أبو بكر، ثم عمر، ثم عثمان، فيبلغ ذلك النبي صلى الله عليه وسلم، فلا ينكره".(۲)

(ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں یہ کہا کرتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ کے اس امت کے سب سے افضل شخص ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر ان کے بعد عمر اور پھر عثمان رضی اللہ عنہما کا درجہ ہے، آپ ﷺ کو یہ بات معلوم ہوتی تھی پھر بھی آپ ہم پر نکیر نہیں فرماتے تھے۔)

روافض نے حب اہل بیت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام پر صحابہ کرام کی جماعت اور بالخصوص ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو اپنے لعن طعن اور سب و شتم کا نشانہ بنایا، بلکہ بعض خبیث سے ایسے بھی ہیں جو شیخین رضی اللہ عنہما کی تکفیر کرتے ہیں۔ ایسے خبیث النفس لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے نصیحت حاصل کرنا چاہئے۔ حضرت محمد ابن حنفیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے پوچھا: "أي الناس خير بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: «أبو بكر»، قلت: ثم من؟ قال: «ثم عمر»، وخشيت أن يقول عثمان، قلت: ثم أنت؟ قال: «ما أنا إلا رجل من المسلمين»".(۳)

---

(۱) صحیح البخاری: ۳۶۵۵.

(۲) ابن أبي عاصم (۱۱۹۳)، والخلال (۵۷۷)۔

(۳) صحیح البخاری: ۳۶۷۱۔

(رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ۔ میں نے پوچھا: پھر کون؟ انہوں نے فرمایا: اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ (فرماتے ہیں: مجھے اس بات کا اندیشہ ہوا کہ اب آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام ذکر کریں گے تو میں نے کہا: اس کے بعد پھر آپ (افضل) ہیں؟ یہ سن کر انہوں نے فرمایا: میں تو صرف عام مسلمانوں جیسا ایک آدمی ہوں۔)

ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت کا کا اقرار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بر سر منبر کیا ہے، عبد خیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کی حضرت علی رضی اللہ نے منبر پر فرمایا: "خَيْرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ بعْدَ نَبِيِّهَا: أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ - رضي الله عنهما - وَلَوْ شِئْتُ أَنْ أُسَمِّيَ الثَّالِثَ لَسَمَّيْتُهُ". (۱)

(نبی اکرم ﷺ کی بعد اس امت کے سب سے بہتر شخص ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ ہیں، اور اگر میں تیسرے شخص کا نام بھی بیان کرنا چاہتا تو بیان کرتا۔)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق نبی اکرم ﷺ نے عظیم بشارت سنائی ہے، فرمان نبوی ﷺ ہے: «أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ سَيِّدَا كُهُولِ أَهْلِ الجَنَّةِ مِنَ الأَوَّلِينَ وَالآخِرِينَ مَا خَلَا النَّبِيِّينَ وَالمُرْسَلِينَ، لَا تُخْبِرْهُمَا يَا عَلِيُّ». (۲)

(حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ابو بکر و عمر جنت کے ادھیڑ عمر کے لوگوں کے سردار ہیں، خواہ وہ اگلے ہوں یا پچھلے، سوائے نبیوں اور رسولوں کے، لیکن علی! تم انہیں نہ بتانا''۔)

ایک روایت میں نبی اکرم ﷺ نے شیخین کا عظیم مقام و مرتبہ بیان کیا، چنانچہ:

---

(۱) مسند احمد: ۱۰۶۰.

(۲) سنن الترمذی: ۳۶۶۶۔ (امام احمد رحمہ اللہ کی روایت کردہ حدیث میں "وشبابها" کے لفظ کا اضافہ ہے جسے شیخ شعیب الارنؤط رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے۔)

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک ضرورت کے سلسلے میں ایک شخص کو کہیں بھیجنا چاہا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے داہنے جبکہ عمر رضی اللہ عنہ ان کے بائیں جانب تھے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا آپ ان دونوں کو نہیں بھیجیں گے؟ آپ نے کہا: «كَيْفَ أَبعَثُهُمَا وَهُمَا مِنَ الدِّينِ كَمَنْزِلَةِ السَّمْعِ وَالْبَصَرِ مِنَ الرَّأْسِ؟».(۱)

(میں ان دونوں کو کیسے بھیج سکتا ہوں، ان کی دین میں وہی حیثیت ہے جو انسان کے سر میں آنکھ اور کان کی حیثیت ہے۔)

گویا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر طعن کرنے والا دین اسلام کو اسی طرح نقصان پہنچانے والا ہے جس طرح کوئی شخص کسی کی آنکھ اور کان پر ضرب لگا کر اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی ذات رب تعالیٰ کو اس قدر محبوب تھی کہ اللہ رب العالمین نے انہیں اسی دنیا میں نبی اکرم ﷺ کی زبانی جہنم سے نجات کا مژدہ سنا دیا، ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: "دَخَلَ أَبُو بَكْرٍ - رضي الله عنه - عَلَى رَسُولِ اللهِ - صلى الله عليه وسلم - فقَالَ: " أَنْتَ عَتِيقُ اللهِ مِنْ النَّارِ "، فَيَوْمَئِذٍ سُمِّيَ عَتِيقًا".(۲)

(ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تم جہنم سے اللہ کے آزاد کردہ ہو تو اسی دن سے ان کا نام عتیق رکھ دیا گیا۔)

ایک بار ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان تھوڑی سی نوک جھونک ہو گئی، جب نبی اکرم ﷺ کو اس کی خبر پہنچی تو آپ نے صحابہ کرام کو تنبیہ کرتے ہوئے اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عظیم احسانات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: "هَلْ

---

(۱) مسند الشاميين للطبراني:(۱/ ۲۸۳)،فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل:(۱/ ۳۸۲)، تاریخ بغداد:(۸/ ۴۵۹-۴۶۰). علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ سلسلة الأحاديث الصحيحة:(۲/ ۴۵۷).

(۲) سنن ترمذی:۳۶۷۹، مستدرک حاکم:۴۴۵۷. علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ السلسلة الصحيحة:۱۵۷۴.

أَنتُمْ تَارِكُونَ لِي صَاحِبِي، هَلْ أَنتُمْ تَارِكُونَ لِي صَاحِبِي، إِنِّي قلْتُ: يَا أَيهَا النَّاسُ، إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا، فقُلْتُمْ: كَذَبْتَ، وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: صَدَقْتَ".(۱)

(کیا تم میرے ساتھی کو میری خاطر (ستانا) چھوڑتے ہو کہ نہیں؟ کیا تم میری خاطر میرے ساتھی کو (ستانا) نہیں چھوڑ سکتے؟ میں نے جب کہا تھا: "اے لوگو! بلاشبہ میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا پیغمبر ہوں تو تم سب نے میری تکذیب کی لیکن ابو بکر نے مجھے سچا کہا تھا۔)

ایک دوسری حدیث میں ابو بکرؓ کے عظیم احسانات کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا: "إِنَّ أَمَنَّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبُو بَكْرٍ، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا مِنْ أُمَّتِي لاَتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ، وَلَكِنْ أُخُوَّةُ الإِسْلاَمِ وَمَوَدَّتُهُ، لاَ يَبْقَيَنَّ فِي المسْجِدِ بَابٌ إِلَّا سُدَّ، إِلَّا بَابُ أَبِي بَكْرٍ".(۲)

(حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرمﷺ نے فرمایا: "میں لوگوں میں سے کسی کے مال اور صحبت کا اتنا زیر بار نہیں جتنا ابو بکر کا ہوں۔ اگر میں اپنی امت سے کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا، لیکن اسلامی اخوت و محبت ضرور ہے۔ دیکھو! مسجد میں ابو بکر کے دروازے کے سوا سب کے دروازے بند کر دیے جائیں۔)

مزید فرمایا: «مَا أَحَدٌ أَعْظَمُ عِنْدِي يَدًا مِنْ أَبِي بَكْرٍ، وَاسَانِي بِمَالِهِ، وَنفْسِهِ، وأَنْكَحَنِي ابْنَتَهُ».(۳)

("میرے اوپر ابو بکر سے زیادہ بڑا احسان کسی اور کا نہیں ہے، اپنے مال اور اپنی جان سے میری مدد کی اور اپنی بیٹی سے میرا نکاح کروایا"۔)

اس سے عظیم شے اور کیا ہو سکتی ہے کہ جب نبی اکرمﷺ نے ایمان بالغیب کا تذکرہ کیا تو بلا استفسار ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ایمان کی گواہی دی، چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرمﷺ نے فرمایا: " بَينَمَا رَجُلٌ يَسُوقُ بقَرَةً

---

(۱) صحيح البخاري: ۴۶۴۰.

(۲) صحيح البخاري: ۴۶۶.

(۳) المعجم الأوسط: ۵۰۴. علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے شواہد کی وجہ سے صحیح کہا ہے۔ السلسلة الصحيحة: ۲۲۱۴.

لَهُ، قَدْ حَمَلَ عَلَيهَا، الْتفَتَتْ إِلَيْهِ الْبَقَرَةُ فقَالَتْ: إِنِّي لَمْ أُخْلَقْ لِهَذَا، وَلَكِنِّي إِنَّمَا خُلِقْتُ لِلْحَرْثِ " فقَالَ النَّاسُ: سُبْحَانَ اللهِ تعَجُّبًا وَفزَعًا، أَبقَرَةٌ تَكَلَّمُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «فَإِنِّي أُومِنُ بِهِ وَأَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ».(۱)

(ایک شخص اپنی گائے کو ہانک رہا تھا اس پر بوجھ لادا ہوا تھا۔ اس گائے نے منہ پیچھے کیا اور کہا: مجھے اس کام کے لیے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ کھیتی باڑی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔" لوگوں نے تعجب اور حیرت سے کہا: سبحان اللہ! کیا گائے بولتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" (کسی اور کو یقین ہو نہ ہو) میرا ابو بکر کا اور عمر کا اس پر ایمان ہے۔)

اسی بات کی گواہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی دی ہے، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نیکیوں سے بڑے متاثر تھے، ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو فرماتے ہوئے سنا: "وُضِعَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَلَى سَرِيرِهِ، فتَكَنفَهُ النَّاسُ يَدْعُونَ وَيُثْنُونَ وَيُصَلُّونَ عَلَيْهِ، قبْلَ أَنْ يرْفَعَ، وَأَنَا فِيهِمْ، قَالَ فلَمْ يرُعْنِي إِلَّا بِرَجُلٍ قَدْ أَخَذَ بِمَنْكِبِي مِنْ وَرَائِي، فَالْتفَتُّ إِلَيْهِ فَإِذَا هُوَ عَلِيٌّ، فتَرَحَّمَ عَلَى عُمَرَ، وَقَالَ: مَا خَلَّفْتَ أَحَدًا أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ أَلْقَى اللهَ بِمِثْلِ عَمَلِهِ مِنْكَ، وَايْمُ اللهِ إِنْ كُنْتُ لَأَظُنُّ أَنْ يَجْعَلَكَ اللهُ مَعَ صَاحِبَيْكَ، وَذَاكَ أَنِّي كُنْتُ أُكَثِّرُ أَسْمَعُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «جِئْتُ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، وَدَخَلْتُ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، وَخَرَجْتُ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، فَإِنْ كُنْتُ لَأَرْجُو، أَوْ لَأَظُنُّ، أَنْ يَجْعَلَكَ اللهُ مَعَهُمَا».(۲)

(جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کے جسد خاکی) کو چارپائی پر رکھا گیا تو (جنازہ) اٹھانے سے پہلے لوگوں نے چاروں طرف سے ان کو گھیر لیا۔ وہ دعائیں کر رہے تھے تعریف کر رہے تھے اور دعائے رحمت بھیج رہے تھے۔ میں بھی ان میں شامل تھا تو مجھے اچانک کسی شخص نے پیچھے سے (آکر) میرا کندھا تھاما۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے رحمت کی دعا کی اور کہا: آپ نے کوئی ایسا آدمی پیچھے نہ چھوڑا جو آپ سے بڑھ کر اس بات میں مجھے محبوب ہو کہ میں اللہ سے اس کے جیسے عملوں کے ساتھ ملوں۔ اللہ کی قسم! مجھے۔ ہمیشہ سے یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ رکھے گا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ میں اکثر رسول اللہ ﷺ سے سنا کرتا تھا، آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے، "میں ابو بکر اور عمر آئے۔ میں ابو بکر اور عمر اندر گئے، میں ابو بکر اور عمر باہر نکلے۔" مجھے امید تھی بلکہ مجھے ہمیشہ سے یقین رہا کہ اللہ آپ کو ان دونوں کے ساتھ رکھے گا۔)

---

(۱) صحیح مسلم: ۲۳۸۸.

(۲) صحیح البخاري: ۳۶۸۵، صحیح مسلم: ۲۳۸۹.

عبداللہ عبدالرشید مدنی
فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

الولاء والبراء کا صحیح معنیٰ و مفہوم (قسط چہارم)

کیا کفار سے معاہدہ کرنا، ولاء (شرعی دوستی) کہلاتا ہے؟

شیخ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہود یا دیگر کفار کے ساتھ معاہدہ انکے ساتھ ولاء یا محبت و مودت کو لازم نہیں بلکہ معاہدے کا مقصد فقط طرفین میں امن کا قیام اور ایک دوسرے کی جانب سے ایذا رسانی سے حفاظت ہوتا ہے۔ جیسے انکے ساتھ خرید و فروخت اور ایک دوسرے کے یہاں اپنے سفیر بھیجنا۔ یہ تمام چیزیں انکے ساتھ محبت و موالات کی متقاضی نہیں ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے مشرکین مکہ سے مصالحت کی لیکن اسکی وجہ سے ان سے محبت و موالات لازم نہ آئی بلکہ وہی بغض و عداوت باقی رہی یہاں تک کہ اللہ نے فتح والے سال مکہ فتح کروادیا۔۔۔۔۔۔اسی طرح جب نبی اکرم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں سے بھی ایک عام مصالحت کی لیکن اس مصالحت کی وجہ سے انکے ساتھ محبت و مودت لازم نہ آئی۔۔۔۔۔۔بلکہ جب آپ ﷺ کا انتقال ہوا تو آپکی زرہ ایک یہودی کے پاس گروی تھی۔

نیز فرماتے ہیں: اور جب ضرورت و مصلحت ہو تو یہود و دیگر کفار کے ساتھ معاہدہ کرنا، ان سے محبت و موالات کا قیام نہیں ہے، اس پر یہ واقعہ بھی دلالت کرتا ہے کہ جب خیبر فتح ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے یہود خیبر سے اس بات پر مصالحت کی کہ وہ کھیتی باڑی اور کھجور کی کاشت کریں گے اور آدھی فصل مسلمانوں کے حوالے کریں گے۔

پھر آخر میں فرماتے ہیں: لہٰذا ان تمام باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ فقط معاہدوں سے اللہ کے دشمنوں (کفار) سے محبت و موالات لازم نہیں آتی جیسا کہ شرعی احکام سے نابلد کچھ لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔[1]

---

(۱) مجموع فتاوى ابن باز: (٢١٩/٨)

● اور جب مصلحت کی بنیاد پر مسلمانوں کا ولیِ امر, کفار سے معاہدہ کرلے تو ایسی صورت میں اس معاہدے کا پاس ولحاظ رکھنا واجب امر ہے۔ **یہی وجہ ہے کہ** نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ جو قریش کی جانب سے آپ ﷺ کے پاس بھیجے گئے تھے لیکن آپ ﷺ سے ملاقات کے بعد انکا دل ایمان کی ہدایت سے بہرہ ور ہو گیا تھا، (نبی اکرم ﷺ نے) یہ کہہ کر انہیں واپس کر دیا کہ "میں عہد وپیمان کی خلاف ورزی نہیں کرتا" کیونکہ وہ ایک سفیر کی حیثیت سے آئے تھے اور سفیر کو اپنے پاس رکھ لینا عُرف کے اعتبار سے عہد شکنی ہوتی ہے۔ (۱)

چنانچہ ان تمام تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ کفار سے جب انکے دین وعقیدے کی بنیاد پر موالات قائم نہ کی جائے تو وہ ظاہری موالات ہے اور اس کی مختلف صورتیں ہیں اور ہر صورت کا الگ حکم ہے۔

● **شیخ محمد بن عمر بازمول حفظہ اللہ نے اسکی اچھی تفصیل بیان کی ہے۔ (۲) خلاصہ ملاحظہ کریں:**

1۔ **کبھی یہ موالات جائز ہوتی ہے۔** جیسے کافر غیر حربی کے ساتھ اچھا سلوک کرنا جیسا کہ اس کا بیان بالتفصیل گزر چکا۔

اسی طرح شیخ سلیمان الرحیلی حفظہ اللہ (الولاء والبراء کے دورہ علمیہ میں) فرماتے ہیں: جب کفار کا غلبہ ہو اور مسلمان اقلیت میں ہوں تو قلبی بغض کے ساتھ بظاہر ان کیلئے دوستی کا اظہار کرنا جائز ہے۔ اسکی دلیل اللہ رب العالمین کا یہ فرمان ہے: (لَّا يَتَّخِذِ ٱلْمُؤْمِنُونَ ٱلْكَٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ ٱلْمُؤْمِنِينَۖ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ ٱللَّهِ فِى شَىْءٍ إِلَّآ أَن تَتَّقُوا۟ مِنْهُمْ تُقَىٰةً وَيُحَذِّرُكُمُ ٱللَّهُ نَفْسَهُۥۗ وَإِلَى ٱللَّهِ ٱلْمَصِيرُ)۔

---

(۱) سنن أبي داود : (۲۷۵۸)، علامہ الالبانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) الولاء والبراء للشيخ بازمول: (ص ۸)

ترجمہ: مومنوں کو چاہئے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی کسی حمایت میں نہیں مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح بچاؤ مقصود ہو، اور اللہ تعالیٰ خود تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے۔(۱)

اس آیت کی تفسیر میں مفسر قرآن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اللہ نے کفار کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور مسلمانوں کو چھوڑ کر ان کو دوست بنانے سے منع فرمایا ہے سوائے اس کے کہ وہ (کفار) غلبے میں ہوں تو ایسی صورت میں ان کے ساتھ حسن سلوک جائز ہے اور اسکی دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے " إِلَّآ أَن تَتَّقُواْ مِنۡهُمۡ تُقَىٰةٗۗ "(مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح بچاؤ مقصود ہو)۔(۲)

لیکن یاد رہے کہ انکے کفریہ اعمال میں بھی اس بہانے سے انکے ساتھ شامل نہ ہوا جائے اور نہ ہی انکی تائید کی جائے۔(۳)

2۔ کبھی یہ حرام ہوتی ہے۔ جیسے کفار سے انکے مخصوص امور میں مشابہت کرنا۔ کیونکہ سنن ابو داود کی صحیح روایت ہے: "جس نے جس قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے"(۴)

3۔ کبھی یہ مستحب اور باعث اجر و ثواب ہوتی ہے۔ مثلاً کسی کافر سے اس لئے اچھا سلوک کرنا تاکہ اس کا دل نرم ہو اور اسے اسلام کی دعوت دی جائے۔

---

(۱) آل عمران: (٢٨)

(۲) تفسير الطبري: (٣١٣/٦)، رقم الأثر: (٦٨٢٥)

(۳) ایضا

(٤) سنن أبي داود (٤٠٣١)

4۔ کبھی یہ واجب ہوتی ہے۔ مثلاً کافر والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ فرمان ربانی ہے: "(وَإِن جَٰهَدَاكَ عَلَىٰٓ أَن تُشۡرِكَ بِي مَا لَيۡسَ لَكَ بِهِۦ عِلۡمٞ فَلَا تُطِعۡهُمَاۖ وَصَاحِبۡهُمَا فِي ٱلدُّنۡيَا مَعۡرُوفٗاۖ وَٱتَّبِعۡ سَبِيلَ مَنۡ أَنَابَ إِلَيَّۚ ثُمَّ إِلَيَّ مَرۡجِعُكُمۡ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمۡ تَعۡمَلُونَ)"۔

ترجمہ: اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو تو ان کا کہنا نہ ماننا، ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بسر کرنا اور اس کی راہ چلنا جو میری طرف جھکا ہوا ہو تمہارا سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے تم جو کچھ کرتے ہو اس سے پھر میں تمہیں خبر دار کروں گا۔ (۱)

5۔ اور کبھی یہ موالات مکروہ ہوتی ہے۔ جیسے مسلمان خادم کے ہوتے ہوئے بلاوجہ کسی کافر کو خادم بنانا۔

ولاء وبراء کے متعلق مسلم حکام اور ولاۃ الامور کے سلسلے میں بعض شبہات اور ان کے جوابات:

اس مسئلے میں کئی لوگوں نے طرح طرح کے اعتراضات کئے ہیں، جن میں سے چند بنیادی اعتراضات یا شبہات کو میں ذیل میں درج کر رہا ہوں اور مختلف علماء کرام کے جوابات کی روشنی میں ان کے جوابات رقم کر رہا ہوں، واللہ ھو الموفق۔

پہلا شبہ: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ تمام مسلم حکمران کافر ہو چکے ہیں کیونکہ وہ کفار حکمرانوں کو "میرے دوست" اور "میرے عزیز" جیسے القاب وآداب کے ساتھ مخاطب کرتے ہیں جو کہ انکے ساتھ موالات قائم کرنا ہے اور کافر کے ساتھ موالات قائم کرنا کفر ہے۔

اس کا جواب دو طریقوں سے دیا جائے گا:

---

(۱) لقمان : (۱۵)

اولا: یہ کہ انکے شر سے حفاظت کیلئے فقط زبانی طور پر کفار سے محبت کا اظہار کرنا الگ چیز ہے اور ان سے قلبی لگاو و محبت الگ چیز ہے۔ اور ایک مسلمان کیلئے فقط ظاہری طور پر ان سے دوستی و محبت کا اظہار ضرورت کے وقت جائز ہے جیسا کہ اوپر کے سطور میں گزر چکا۔

لہذا جب ایک مسلمان کیلئے اسکی اپنی مصلحت کی بنیاد پر ظاہری طور پر مذکورہ صورتحال میں ایسا کرنا جائز ہے تو بدرجہ اولی ایک مسلمان حاکم کیلئے ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ یہاں تو تمام مسلمانوں کی مصلحت اور انکی حفاظت کا معاملہ ہے۔

ثانیا: مان بھی لیا جائے کہ وہ کفار کیلئے ایسے القابات دلی محبت کی وجہ سے بھی استعمال کرتے ہوں تب بھی اس سے وہ کافر نہیں ہو جاتے کیونکہ یہ محبت دنیاوی مصلحت کی بنیاد پر ہے نہ کہ انکے کفریہ دین کی بنیاد پر، جیسا کہ اسکی تفصیل بیان کی جاچکی ہے۔ لہذا اگر ایسا معاملہ نظر سے گزرے تو اسے فورا کفر پر محمول نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ایک مسلمان میں اصلاً ایمان ہوتا ہے کفر نہیں۔ اسی لئے تکفیر کے بہت سے شروط ہیں اور اسکے لئے تمام تر موانعات سے خالی ہونا بھی ضروری ہے۔

دوسرا شبہ: اسی طرح بعض جہلا یہ کہتے پھرتے ہیں کہ مسلم حکمران، کافر حکمرانوں کے ساتھ اقتصادی تعلقات قائم کرتے ہیں اور ان سے تحفے تحائف کا تبادلہ بھی کرتے ہیں جس سے ان کفار کو فائدہ ہوتا ہے لہذا یہ بھی ولاء ہے اور کفار کے ساتھ ولاء کفر ہے۔

اس کا جواب بھی دو طریقوں سے دیا جاسکتا ہے:

اولا: یہ کہ یہ تعلقات دنیوی فائدے کی بنا پر ہے، جن سے انکی تکفیر لازم نہیں آتی۔

ثانیا: جب ایک مسلمان کفار کے ساتھ تجارتی و اقتصادی تعلقات قائم کرسکتا ہے اور ان سے تحفے تحائف کا تبادلہ کرسکتا ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ایسا کیا ہے جیسا کہ گزر چکا، تو ایک مسلم حکمران اسلامی سلطنت کی بہتری اور فائدے کے خاطر کفار سے اقتصادی تعلقات کیوں قائم نہیں کرسکتا اور ان کے ساتھ تحفے تحائف کا تبادلہ کیوں نہیں کرسکتا؟؟؟

کیا یہ بات جو آپ کی عقل میں آئی ہے، نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کو سمجھ میں نہ آسکی کہ انہوں نے کفار سے تجارتیں بھی کیں، اقتصادی تعلق بھی استوار کیا اور ان سے تحفوں کا لین دین بھی کیا!!!

تیسرا شبہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ کفار سے مصالحت کے جواز میں نبی اکرم ﷺ کا مشرکین اور یہود مدینہ و خیبر سے مصالحت کرنے کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں جبکہ نبی اکرم ﷺ کا معاملہ آپ ﷺ کے ساتھ خاص تھا جسے آج کے مسلم حکمرانوں کیلئے دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔لہذا آپ کی یہ دلیل باطل ہے!!!

جواب: ہم نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کے طریقے پر چلتے ہیں، اسی کو دلیل بھی بناتے ہیں اور اسی کا اتباع بھی کرتے ہیں کیونکہ ہمیں ہمارے رب نے اور خود ہمارے پیارے نبی ﷺ نے اسی بات کا حکم دے رکھا ہے۔

چنانچہ فرمان باری ہے: "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا"۔

ترجمہ: یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا ہے۔(۱)

اور ہمارے نبی ﷺ کا فرمان ہے: أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا، فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ،

ترجمہ: میں تمہیں اللہ سے ڈرنے، امیر کی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں، خواہ وہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ جو میرے بعد تم میں سے زندہ رہے گا عنقریب وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، تو تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑنا، تم اس سے چمٹ جانا، اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا(۲)

لہذا کیا آپ یہ چاہتے ہیں ہم نبی اکرم ﷺ کی اقتداء ترک کر دیں اور آپ کی اقتداء کرنے لگ جائیں؟؟؟

---

(۱) الاحزاب: (۲۱)

(۲) سنن أبي داود: (٤٦٠٧)، علامہ الالبانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

نیز اگر یہ معاملہ فقط آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہوتا تو کیا آپ اسکی نشاندہی نہ کر دیتے؟؟؟

اور اگر یہ آپ ﷺ کے ساتھ خاص تھا تو خلفاء اسلام نے کفار کے ساتھ جو معاہدے کئے وہ کس کی اقتداء میں کئے؟؟؟

ظاہر ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہی کی زندگی تمام تر شعبوں میں ہمارے لئے اسوہ ہے اور ہم ہر معاملے میں انہی کی اقتداء کے پابند ہیں الا یہ کہ کسی معاملہ کو شریعت کی جانب سے آپ کے ساتھ خاص کر دیا جائے۔

چوتھا شبہ: یہودیوں کے ساتھ مصالحت کیسے جائز ہو سکتی ہے جبکہ انہوں نے حرم بیت المقدس پر قبضہ جمار کھا ہے اور مسلمانوں کو وہاں سے نکال باہر کیا ہے؟؟؟

جواب: اولا: بیت المقدس اپنی اہمیت و عظمت کے باوجود حرم نہیں ہے لہذا اس پر حرم کا اطلاق درست نہیں۔ کیونکہ حرم صرف دو ہیں حرم مکہ اور حرم مدینہ۔ انکے علاوہ کوئی تیسرا حرم نہیں ہے۔

ثانیا: کیا مسجد اقصی بیت اللہ اور مسجد حرام سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے؟؟؟ ہرگز نہیں کیونکہ بیت اللہ حرم ہے جبکہ بہت المقدس حرم نہیں ہے اسکے باوجود نبی اکرم ﷺ نے مشرکین مکہ کے ساتھ صلح کیا!

ثالثا: مشرکین مکہ نے کعبۃ اللہ پر قبضہ جمار کھا تھا اور نبی ﷺ اور صحابہ کو مکہ میں داخل ہونے تک نہ دیتے تھے۔ نیز نبی اکرم ﷺ کی قتل کی شازشیں رچتے تھے، مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے، مہاجر صحابہ کے گھروں پر قبضہ کرر کھا تھا اور مسلمانوں کو طواف کعبہ سے بھی روک دیا تھا لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود نبی اکرم ﷺ نے ان سے مصالحت کی جسے صلح حدیبیہ کہتے ہیں۔

کیوں؟

کیونکہ اس میں مسلمانوں کی مصلحت پوشیدہ تھی۔

چنانچہ جب کبھی کفار سے مصالحت کرنے میں مسلمانوں کا حاکم مصلحت سمجھے گا، اسکے لئے ان سے مصالحت کرنا عین شرعی امر ہو گا چہ جائیکہ کفر ہو۔

اللہ تبارک وتعالی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں فتنوں سے بچا کر رکھے، صرف اپنے لئے محبت وعداوت قائم کرنے کی توفیق عنایت کرے اور صراط مستقیم پر تادم حیات قائم ودائم رکھے۔ آمین

واللہ تعالی أعلی وأعلم وصلی اللہ علی نبینا وسلم۔۔(ختم شد)۔

مامون رشید بن ہارون رشید سلفی
جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ

سید قطب کے اعتقادی وفکری انحرافات

قارئین کرام: سید قطب (جن کا اصل نام سید اور خاندانی نام قطب ہے) ۹ اکتوبر ۱۹۰۶ء کو مصر کے ضلع اسیوط کے موشا نامی گاؤں میں ایک ایسے گھرانے میں پیدا ہوئے جہاں بدعت وخرافات کا غلغلہ عام تھا سید قطب کے والد روزانہ عشا کے کھانے کے بعد اپنے بچوں کی موجودگی میں سورہ فاتحہ کی تلاوت کرتے اور اسے اپنے والدین کی روح کو ہدیہ کرتے تھے، اسی طرح ان کے والد ختم قرآن کی محفلیں منعقد کرتے بالخصوص رمضان کے مہینے میں اس کا زیادہ اہتمام کرتے، اور ان کا گاؤں بھی ایک صوفی بزرگ ولی اللہ عبد الفتاح کے نام (بلدۃ الشیخ عبد الفتاح) سے مشہور تھا، کہا جاتا ہے جیسا کہ معروف اخوانی بدعتی ڈاکٹر عبد اللہ عزام نے اپنی کتاب "عملاق الفكر الإسلامي الشهيد سيد قطب ص:۸" کے اندر لکھا ہے کہ سید قطب کے آباواجداد اصلاً ہندوستانی تھے ان کے جد رابع حسین ارض حرمین کی طرف ہجرت کر گیے تھے پھر وہاں سے ہجرت کر کے بالائی مصر کے علاقے میں آباد ہو گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کرنے کے بعد سنہ ۱۹۲۰ء کو قاہرہ کی جانب رخت سفر باندھا اور بقیہ تعلیم قاہرہ یونیورسٹی سے حاصل کی بعد میں وہیں پروفیسر ہو گئے۔ کچھ دنوں کے بعد وزارت تعلیم کے انسپکٹر آف اسکولز کے عہدے پر فائز ہوئے پھر کچھ عرصہ بعد اخوان المسلمون سے جڑ گئے اور نہایت دلجمعی کے ساتھ نشر اخوانیت میں لگے رہے یہاں تک کہ حسن البنا کے بعد اخوانیت میں دوبارہ روح پھونکنے کا کام کیا اور بعد کے بہت سارے اخوانی بجائے اخوانی کے سید قطب کی طرف منسوب ہو کر قطبی کہلانے لگے۔

محققین اہل علم کا کہنا ہے کہ سید قطب نے کبھی بھی باقاعدہ اسلامی تعلیم حاصل نہیں کی چنانچہ سید قطب کی تعلیم پر گفتگو کرتے ہوئے شیخ اجمل منظور مدنی حفظہ اللہ لکھتے ہیں: "اخوانیوں کے سید قطب کب عالم دین ہو گئے؟!۔ سید قطب کی پیدائش ۱۹۰۶ میں ہوئی۔ ۱۹۳۳ء میں دار العلوم کالج سے Educational teacher certificate حاصل کیا۔ یعنی ۲۷/ سال کی عمر میں شرعی علوم حاصل نہیں کیا تھا بلکہ ادبی اور ثقافتی علوم میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی تھی۔

۱۹۳۴ میں ۲۹/ سال کی عمر میں پہلی بار اپنے ادب کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک مقالہ (الشواطئ العارية= ننگا ساحل) کے نام سے لکھا، جس میں ننگے پن اور بے حیائی کی طرف دعوت دی۔

۳۹/ سال کی عمر میں ۱۹۴۳ کے اندر ایک مضمون لکھا (لماذا صرت ماسونیا؟) کے نام سے،، یعنی میں ماسونی کیوں بنا؟ یہ یہودیوں کی ایک شیطانی خفیہ جماعت ہے۔ ۴۲/ سال کی عمر میں ۱۹۴۸ میں امریکہ چلے گئے اپنی تعلیم کو مزید پختہ کرنے کیلئے، مگر وہاں امریکی سی آئی اے کے ساتھ ٹریننگ حاصل کی۔ دو سال کے بعد ۱۹۵۰ میں مصر واپس آگئے۔ ۴۸/ سال کی عمر میں ۱۹۵۴ کے اندر اخوانی جماعت میں شمولیت اختیار کی۔ ۱۹۵۶ کے اندر مختلف دہشت گردی سمیت کئی جرائم میں ملوث ہونے کی وجہ سے گرفتار کئے گئے۔ پھر آٹھ سال تک یعنی ۱۹۶۴ تک جیل ہی میں رہے، اس وقت انکی عمر اٹھاون تک پہونچ گئی تھی۔ ۱۹۶۴ میں ایک سرکاری عام معافی کے تحت جیل سے رہا ہو گئے۔ پھر دوبارہ ۱۹۶۵ میں دیگر بھیانک دہشت گردی اور غداری کے جرائم میں گرفتار ہوئے۔ پھر ۱۹۶۶ میں اعتراف جرم کی وجہ سے پھانسی دی گئی، اس وقت انکی عمر ۵۹/ سال کی تھی۔

سوال یہ ہیکہ سید قطب نے شرعی علوم کب اور کس سے حاصل کی؟

پھر ایسے مجرم شخص کو دین کا پہاڑ بنا کر آخر کیوں پیش کیا جاتا ہے؟

اگر غور سے سید قطب کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ بندہ ہر میدان میں فیل ہوتا آیا ہے۔

سید قطب نے بہت ساری کتابیں بھی لکھی ہے جو اخوانیوں کے ہاں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں جن میں: طفل من القرية، المدينة المسحورة، النقد الأدبي، التصوير الفني في القرآن، مشاهد القيامة في القرآن، معالم في الطريق، المستقبل لهذا الدين، هذا الدين، في ظلال القرآن (تفسیرِ قرآن)، كيف وقعت مراكش تحت الحماية الفرنسية؟ الصبح يتنفس، وظيفة الفن والصحافة، العدالة الاجتماعية في الإسلام وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

سید قطب کے بارے میں علما کے اقوال:

۱- محدث العصر علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کا قول۔

شیخ رحمہ اللہ ایک خط میں شیخ ربیع کو لکھتے ہیں: "كل ما رددته على سيد قطب حقٌ صوابٌ، ومنه يتبين لكل قارئ على شيء من الثقافة الإسلامية أن سيد قطب لم يكن على معرفة بالإسلام بأصوله وفروعه. فجزاك الله خير الجزاء أيها الأخ (الربيع) على قيامك بواجب البيان والكشف عن جهله وانحرافه عن الإسلام"۔

"جو کچھ بھی آپ نے سید قطب کے سلسلے میں بطور رد لکھا ہے سب مبنی بر حق وصواب ہے، اور اس سے ہر اس شخص کے لیے جو اسلامی ثقافت سے متعلق کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ سید قطب کو اسلام کے اصول و فروع کے بارے میں کچھ بھی معرفت نہیں تھی۔ اے برادر (ربیع المدخلی): اسلام کے تعلق سے اس (سید قطب) کی جہالت اور انحراف کی وضاحت وبیان کے واجب کو ادا کرنے پر اللہ آپ کو بہترین بدلہ عطا فرمائے"۔[۱]

۲-امام عبد العزیز بن باز رحمہ اللہ کا قول۔

سید قطب اپنی تصنیف: "التصوير الفنى فى القرآن" ص:۲۰۰ میں لکھتے ہیں: "مثال کے طور پر ہم موسی علیہ الصلاۃ والسلام (کے کردار) کو لے لیتے ہیں، وہ پر جوش، متعصب مزاج لیڈر کی ایک مثال ہیں"۔ (نعوذ باللہ)۔

امام ابن باز رحمۃ اللہ اس کلام پر تعلیق لگاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: انبیاء کا مزاق اڑانا ایک مستقل ارتداد ہے (یعنی جان بوجھ کر ایسا کرنے والا شخص حجت تمام ہونے کے بعد دین سے خارج ہو کر کافر ہو جاتا ہے)"۔[۲]

اسی طرح جب سید کی استواء کی تفسیر (هيمنة) قبضہ اور غلبہ کا ذکر کیا گیا جیسا کہ انہوں نے سورہ طہ آیت ۵ (الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ) کی تفسیر میں لکھا ہے: (أما الاستواء على العرش فنملك أن نقول: إنه كناية عن الهيمنة على هذا الخلق)۔[۳]

تو شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی اس بات پر تعلیق لگاتے ہوئے فرمایا: (هذا كله كلام فاسدٌ، هذا معناه الهيمنة، ما أثبت الاستواء: معناه إنكار الاستواء المعروف، وهو العلو على العرش، وهذا باطلٌ

---

(۱) (رسالة تأييد الشيخ الألباني لردود الشيخ ربيع على سيد قطب)۔

(۲) (اقتباس از کیسٹ اقوال العلماء فی سید قطب، مکتبہ منہاج السنۃ کی آڈیو کارڈنگز، ریاض)۔

(۳) (فی ظلال القرآن جلد ۴، ص ۲۳۲۸)۔

يدل على أنه مسكين ضايع في التفسير)۔ یہ فاسد کلام ہے اس کا معنی ہے تسلط وغلبہ (هيمنة)، اس نے صفت استواء کا اثبات نہیں کیا اس کا مطلب تو استواء جس کا صحیح معنی ہے عرش پر بلند ہونا کا انکار کرنا ہوا، اور یہ باطل ہے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ تفسیر میں مسکین اور گم گشتہ راہ انسان ہے"۔[۱]

اسی طرح ایک مرتبہ سید قطب کی کتابوں کے بارے میں فرمایا: " ينبغي ان تمزق" یعنی ان کتابوں کو پھاڑ دینا چاہیے۔[۲]

۳-فقیہ الأمۃ شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کا قول:

شیخ رحمہ اللہ علیہ تفسیر ظلال القرآن کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:".....وإنما قرأتُ تفسيره لسورة الإخلاص وقد قال قولاً عظيماً فيها مخالفاً لما عليه أهل السنة والجماعة؛ حيث أن تفسيره لها يدل على أنه يقول بوحدة الوجود وكذلك تفسيره للاستواء بأنه الهيمنة والسيطرة"۔[۳]

میں نے سید قطب کی سورہ اخلاص کی تفسیر پڑھی ہے، اس نے اس میں بہت بڑی بات کہی ہے، جو اہل سنت والجماعت کے منہج کے مخالف ہے، کیونکہ اس کی تفسیر یہ ثابت کرتی ہے کہ وہ وحدت الوجود کا قائل ہے۔ اسی طرح اس نے استواء کی تفسیر (گمراہ فرقے جیسے معتزلہ، اشاعرہ، ماتریدیہ وغیرہ جو اللہ تعالی کی صفات کی سلف صالحین کے مذہب کے بر خلاف تاویلات کرتے ہیں کی طرح) استولی سے (قبضہ یا غلبہ) ہے"۔

۴-محدث یمن مقبل بن هادي الوادعي رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"من أئمة أهل البدع"۔[٤] وہ بدعتیوں کے اماموں میں سے ہے۔

---

(۱) (کیسٹ: اقوال العلماء فی سید قطب)۔

(۲) (شرح رياض الصالحين لسماحته بتاريخ يوم الأحد۱۸/۷/۱۴۱۶)۔

(۳) (مجلّۃ الدعوۃ شمارہ:۱۵۹۱، ۹/۱/۱۴۱۸ھ)۔

(٤) (فضائح ونصائح ص:۱۵۱)۔

اسی طرح فرماتے ہیں: "هو يعتبر مبتدعا من المبتدعين"۔[۱] وہ بدعتیوں میں سے ایک بدعتی ہے۔

۵-علامہ صالح الفوزان حفظہ اللہ کا قول:

آپ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا: کہ سید قطب کا کہنا ہے کہ اسلام (نظام آقا و غلام) غلامی کو برقرار نہیں رکھتا اس کو جو باقی رکھا ہے وہ لوگوں کے حملے اور انکار کے خوف سے باقی رکھا ہے کیونکہ غلامی کو لوگوں نے اپنے باپ دادا سے پایا ہے، اسلام نے من باب المجاملہ اس کو باقی رکھا ہے یعنی گویا اللہ رب العالمین نے لوگوں کے ساتھ مجاملت اور خوش معاملگی کی ہے، اور اللہ نے بتدریج رفع رق کی جانب اشارہ بھی کیا ہے حتی کہ وہ ختم ہو جائے" اس نظریے پر رد کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:"هذا كلام باطل وإلحاد – والعياذ بالله – هذا إلحاد واتهام للإسلام.ولولا العذر بالجهل، لأن هؤلاء نعذرهم بالجهل لا نقول إنهم كفارٌ ؛ لأنهم جهال أو مقلدون نقلوا هذا القول من غير تفكير فنعذرهم بالجهل، وإلا الكلام هذا خطير لو قاله إنسان متعمد ارتد عن دين الإسلام"۔

یہ کلام باطل اور الحاد ہے نعوذ باللہ یہ بے دینی ہے اور اسلام پر اتہام تراشی ہے، اگر جہالت کی وجہ سے عذر نہ ہوتا تو.... کیونکہ ہم انہیں جہالت کی وجہ سے معذور سمجھتے ہیں ہم انہیں کافر نہیں گردانتے، کیونکہ یہ جاہل ہیں یا پھر مقلد ہیں ان لوگوں نے یہ بات بغیر سوچے سمجھے نقل کر دی ہے لہٰذا ہم جہل کی وجہ سے انہیں معذور سمجھتے ہیں ورنہ یہ بات بہت خطرناک ہے اگر کوئی شخص جان بوجھ کر یہ بات کہے تو وہ دین اسلام سے مرتد ہو جائے گا۔[۲]

اسی طرح فرماتے ہیں:"و سيد قطب جاهل ما عنده علم ولا عنده معرفة ولا عنده أدلة على ما يقول" سید قطب جاہل ہے اس کے پاس علم نہیں ہے نہ ہی اس کے پاس معرفت ہے اور نہ ہی اپنی باتوں کی دلیل"۔[۳]

---

(۱) (شریط تحذیر الحیران من تلبیسات السروریۃ والإخوان)۔

(۲)(شریط:https://youtu.be/FmDTQ7Nf95g)۔

(۳) (شریط: أقوال العلماء في إبطال قواعد ومقالات عدنان عرعور)۔

۶-علامہ صالح بن محمد اللحیدان سید قطب کی تفسیر "فی ظلال القرآن" کے بارے میں فرماتے ہیں:

"بل هو مليء بما يخالف العقيدة، فالرجل – رحمه الله نسأل الله أن يرحم جميع أموات المسلمين – ليس من أهل العلم"۔ بلکہ وہ کتاب (اہل سنت کے) عقیدے کے مخالف مواد سے بھری پڑی ہے اور سید قطب عالم دین نہیں تھا"

۶-محدث مدینہ حماد بن محمد انصاری رحمہ اللہ کا قول۔

سید قطب اپنی تصنیف "المعركة بين الإسلام والرأسمالية" ص:۶۱ میں لکھتا ہے: "اسلام کے لئے لازم ہے کہ وہ حکومت کرے، کیونکہ اسلام وہ واحد مثبت اور انشائی عقیدہ ہے جو مسیحیت اور کمیونزم دونوں سے ملکر کامل بنا ہے، ان دونوں کے اہداف اپنے اندر رکھتا ہے، اور توازن، تنظیم اور اعتدال میں ان سے بڑھ کر ہے"

اس بات پر تعلیق لگاتے ہوئے شیخ فرماتے ہیں: إن كان قائل هذا الكلام حياً فيجب أن يستتاب، فإن تاب وإلا قتل مرتداً، وإن كان قد مات فيجب أن يُبَيَّنَ أن هذا الكلام باطل ولا نكفره لإننا لم نقم عليه الحجة)۔

اگر اس بات کا کہنے والا (یعنی سید قطب) زندہ ہے تو وجوبا اس سے توبہ کروائی جائے گی اگر وہ توبہ کرلے تو ٹھیک ورنہ اس کو ارتداد کی حد میں قتل کر دیا جائے گا، اور اگر مر گیا ہے تو یہ بات بتانا لازمی ہے کہ یہ کلام باطل ہے اور ہم اس کی تکفیر نہیں کریں گے کیونکہ ہم نے اس پر حجت قائم نہیں کیا ہے۔ (۱)

۸-علامہ ربیع بن ھادي المدخلي حفظہ اللہ نے اس کے رد میں کئی ساری کتابیں لکھی ہیں جن میں:

أضواء إسلامية على عقيدة سيد قطب وفكره.

مطاعن سيد قطب في أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم .العواصم مما في كتب سيد قطب من القواصم.

(۱) (کتاب "العواصم ممافي کتب سید قطب من القواصم" للشیخ المحدث ربیع المدخلي (ص ۲۴)۔

"الحد الفاصل بين الحق والباطل " حوار مع بكر أبو زيد، سيد قطب هو مصدر التكفير المجتمعات"وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ آپ نے سید قطب کو "تکفیری، وحدت الوجود کا قائل، خلق قرآن کا قائل، حضرت موسیٰ کے سلسلے میں بد کلامی کرنے والا، حضرت عثمان اور معاویہ عمرو بن العاص وغیرہم کبار صحابہ کو گالی دینے والا، صفات باری تعالیٰ کا منکر، اشتراکیت کا داعی، قرآن کے علاوہ رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم کے تمام معجزات کا منکر قرار دیا ہے تفصیل کے لیے درج بالا کتابوں کا مطالعہ کریں۔

اسی طرح شیخ عبد المحسن العباد، شیخ محمد أمان جامي شیخ أحمد بن یحیی النجمي، شیخ عبید بن عبد اللہ الجابري، شیخ عبد العزیز آل شیخ وغیرہم گویا اکثر کبار سلفی علما نے اس پر کلام کیا ہے..

سید قطب کے انحرافات:

۱-: سید قطب اللہ کے رسول موسی علیہ السلام کے سلسلے میں بد کلامی اور گستاخی کا مرتکب ہے۔

سید قطب لکھتے ہیں:

"لنأخذ موسى؛ إنه نموذج للزعيم المندفع العصبي المزاج"۔(۱)

"مثال کے طور پر ہم موسی کو لے لیتے ہیں، وہ پر جوش، متعصب مزاج لیڈر کی ایک مثال ہیں"۔

(۱) (في ظلال القرآن ص:۲۰۰)۔

"وهنا يبدو التعصب القومي كما يبدو الانفعال العصبي" على قول الله تعالى: {فَوَكَزَهُ مُوسَى}(۱)۔(۲)

"فوكزه موسى" کی تفسیر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہاں (موسی کی) قومی عصبیت ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ تعصب آمیز اشتعال کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

"وتلك سمة العصبيين" **علی قول اللہ تعالی:** {فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفاً يَتَرَقَّبُ}(۳)۔(۴)

آیت کریمہ فَأَصْبح فِي الْمَدِينَةِ خَائِفاً يَتَرَقّب کی تفسیر کرتے ہوئے سید قطب موسی علیہ السلام کے بارے میں کہتا ہے "یہ متعصب لوگوں کی علامت ہے" یعنی آیت میں جو کہا گیا ہے کہ آپ اندیشہ کی حالت میں خبر لینے کے لیے شہر میں گیے تو ایسا کرنا متعصب لوگوں کی علامت ہے۔

"ولكنه يهم بالرجل الآخر كما هم بالأمس وينسيه التعصب والاندفاع استغفاره وندمه)، على قول الله تعالى: {فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَن يَبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا}(۵)۔(۶)

اس آیت کریمہ پر تعلیق لگاتے ہوئے کہتا ہے: لیکن وہ دوسرے آدمی پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے جیسا کہ گزشتہ کل کیا تھا اور تعصب اور اشتعال انگیزی اسے اپنا استغفار اور ندامت بھلا دیتی ہے"۔

---

(۱) (سورۃ القصص:۱۵)۔

(۲) (في ظلال القرآن ص:۲۰۰)۔

(۳) (سورۃ القصص:۱۸)۔

(٤) (في ظلال القرآن ص:۲۰۱)۔

(٥) (سورۃ القصص:۱۹)۔

(٦) (في ظلال القرآن ص:۲۰۱)۔

"ثم لندعه فترة أخرى لنرى ماذا يصنع الزمن في أعصابه ، ولكن ها هو ذا يسأل ربه سؤالاً عجيباً: {قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ}(۱)۔(۲)

پھر ہم اسے (موسی کو) مزید تھوڑی مدت کے لیے چھوڑ کر دیکھتے ہیں کہ زمانہ اس کے اعصاب میں کیا کرتا ہے، لیکن دیکھو اسے یہ رہا وہ اپنے رب سے کیسا عجیب وغریب مطالبہ کرتا ہے "کہ اے میرے رب! مجھے اپنا دیدار نصیب فرما"۔

"تقابل شخصية موسى شخصية إبراهيم؛ إنه نموذج الهدوء والتسامح والحكمة" على قول الله تعالى: {إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ}(۳)۔(۴)

موسی کی شخصیت کا ابراہیم کی شخصیت سے موازنہ کیجیے بیشک ابراہیم ٹھہراؤ تسامح اور حکمت کی مثال ہیں.....(مطلب موسی علیہ السلام ہدوء وسکون اور تسامح وحکمت سے خالی ہیں..)

سید قطب کی ان تمام باتوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ موسی علیہ السلام کے بارے میں وہ کیا سوچ رکھتے تھے اور ان کی نظر میں ان کا کیا مقام تھا۔

جبکہ اللہ رب العالمین نے انہیں منتخب کر کے بنو اسرائیل کا رسول بنایا تھا اور وہ الو العزم پیغمبروں میں سے تھے اس کے باوجود یہ مسکین آپ کو متعصب جوشیلا اور نہ جانے کیا کیا گالیاں دیتا ہے حالانکہ اللہ رب العالمین کا فرمان ہے {يَا مُوسَى

---

(۱) (سورۃ الأعراف:۱۴۳)۔

(۲) (في ظلال القرآن ص:۲۰۱-۲۰۲)۔

(۳) (سورۃ ھود:۷۵)۔

(٤) (في ظلال القرآن ص:۲۰۳)۔

إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالاَتِي وَبِكَلامي}(۱){وَأَنَا اخْتَرْتُكَ}(۲){وَلِتصْنعَ على عيْني}(۳){واصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي}(۴){يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَى فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهاً}۔(۵)

اور اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "يرحم الله موسى، قد أوذي بأكثر من هذا فصبر" رواه البخاري.

اللہ رب العالمین موسی علیہ السلام پر رحم فرمائے انہیں اس سے زیادہ تکلیفیں پہنچائی گئیں مگر انہوں نے صبر سے کام۔

۲- جلیل القدر صحابی رسول و خلیفہ ثالث ذوالنورین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پر طعن و تشنیع۔

سید قطب لکھتے ہیں: "ونحن نميل إلى اعتبار خلافة علي رضي الله عنه امتداداً طبيعيّاً لخلافة الشيخين قبله، وأن عهد عثمان [الذي تحكّم فيه مروان] كان فجوة بينهما).(٦)

"اور ہم اس طرف مائل ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اپنے سے ما قبل شیخین (ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) کی خلافت کا ہی ایک طبعی تسلسل تھی، جہاں تک عثمان کے دور حکومت کا تعلق ہے (جس میں مراون نے حکومت پر قبضہ جمالیا تھا) تو وہ ان دونوں کے درمیان ایک دراڑ تھا"۔ (نعوذ باللہ)

گویا کہنا یہ چاہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور حکومت خلافت راشدہ کے مابین دراڑ تھی۔

---

(۱) (سورۃ الأعراف:۱۴۴)۔

(۲) (سورۃ طہ:۱۳)۔

(۳) (سورۃ طہ:۳۹)۔

(٤) (سورۃ طہ:۴۱)۔

(٥) (سورۃ طہ:۴۱)۔

(٦) (العدالۃ الاجتماعیۃ ص:۱۷۲)۔

مزید لکھتے ہیں:"وإنه لمن الصعب أن نتّهم روحَ الإسلام في نفسِ عثمان، ولكن من الصعب كذلك أن نعفيه من الخطأ"۔(۱)

"یہ مشکل امر ہے کہ ہم عثمان کی ذات میں روح اسلامی کو متہم کریں لیکن یہ بھی مشکل ہے کہ ہم عثمان کو خطا سے بری کر دیں"۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:"لقد أدركت الخلافةُ عثمان وهو شيخٌ كبيرٌ، ومن ورائه مروان بن الحكم يصرِّفُ الأمر بكثير من الانحراف عن الإسلام.(۲)

عثمان کو خلافت اس وقت ملی جب وہ بوڑھے ہو چکے تھے، جب کہ ان کے پس پردہ اسلام سے بہت زیادہ منحرف ہو کر مروان حکومت کر رہا تھا"

اسی طرح سید قطب نے حضرت عثمان پر یہ الزام لگایا ہے کہ آپ نے اپنے رشتہ داروں کو اعلی مناصب پر فائز کر رکھا تھا اور انہیں گراں قدر مال واسباب سے بھی نواز رکھا تھا چنانچہ انہوں نے اپنے داماد کو شادی کے دن دولاکھ درہم دیا تھا جب صبح ہوئی تو بیت المال کا خازن زید بن ارقم غمگین ہو کر روتے ہوئے آیا اور انہوں نے استعفی طلب کیا سبب پوچھنے پر معلوم ہوا کہ آپ کے اپنے داماد کو مسلمانوں کے مال سے عطیہ دینے کی وجہ سے وہ مستعفی ہو رہے ہیں تو حضرت عثمان نے تعجب ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ اے ابن ارقم کیا تم میری صلہ رحمی پر رو رہے ہو؟...(اپنے قرابت داروں پر) اس مہربانیوں کی بہت ساری مثالیں عثمان کی سیرت میں مل جائیں گی ان میں سے ان کا حضرت زبیر کو ایک روز چھ لاکھ دراہم دینا، طلحہ کو دولاکھ دراہم دینا اور مروان بن حکم کو افریقہ کے خراج کا خمس دے دینا... اس پر صحابہ کرام میں سے بہت سے لوگوں نے عثمان کی سرزنش بھی کی جن میں سرفہرست حضرت علی بن ابی طالب ہیں مگر انہوں نے کہا کہ یہ قرابت داری اور صلہ رحمی ہے... ان میں معاویہ بھی ہے جسے انہوں نے وسعت کے ساتھ ممالک عطا کیا اور ان کی حکومت میں فلسطین اور حمص کو بھی شامل کر دیا..... اور اس کے بعد

(۱) (العدالۃ الاجتماعیۃ ص:۱۶۰)۔

(۲) (العدالۃ الاجتماعیۃ ص:۱۵۹)۔

حضرت علی کی خلافت میں ان سے حکومت طلب کرنے کا راستہ بھی ہموار کیا۔(۱) وغیرہ وغیرہ طعن و تشنیع کی ایک لمبی فہرست ہے جسے شیخ ربیع بن ہادی المدخلی کی کتاب "نظرة سيد قطب الى أصحاب رسول الله" میں بالتفصیل دیکھا جاسکتا ہے۔

یہ ہے خلیفہ رسول کے بارے میں سید قطب کی رائے جن سے فرشتے کرتے تھے، خود اللہ کے رسول حیا کرتے تھے اور جن کے عقد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو بیٹیاں دی تھیں، اور جنہیں آپ نے جنت اور شہادت کی خوشخبری سنائی تھی۔

صحابہ پر طعن و تشنیع کرنا زندیقیت اور الحاد ہے شیخ بکر ابو زید لکھتے ہیں: "أطبق أهل الملة الإسلامية على أن الطعن في واحد من الصحابة رضي الله عنهم زندقة مكشوفة۔(۲) ملت اسلامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی ایک بھی صحابی پر طعن و تشنیع کرنا کھلی زندیقیت ہے"۔

۳-متعدد کبار صحابہ کرام پر طعن و تشنیع۔

سید قطب لکھتے ہیں: "معاویہ اور ان کے ساتھی عمرو بن العاص کی علی رضی اللہ عنہ پر غالب آنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ ان سے زیادہ لوگوں کی نفسیات سے واقف تھے، اور حالات کی مناسبت سے صحیح قدم اٹھانے میں زیادہ سمجھ بوجھ رکھتے تھے، بلکہ وجہ یہ تھی کہ وہ دونوں ہر قسم کے حربے استعمال کرنے میں آزاد تھے، جبکہ علی رضی اللہ عنہ کو اس جنگ کے وسائل چننے میں ان کو ان کے اعلی اخلاق و کردار نے پابند سلاسل کر رکھا تھا، جب معاویہ اور ان کے ساتھی جھوٹ، دھوکہ بازی، چالبازی، منافقت، رشوت اور لوگوں کو خریدنے میں تیزی دکھاتے، ایسے وقت میں علی رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو اتنا نیچے نہیں

---

(۱) (العدالة الاجتماعية ص:۱۵۹)۔

(۲) "(تصنيف الناس بين الظن واليقين ص:۲۶)۔

گرا پاتے چناچہ یہ کوئی اچھنبے کی بات نہیں کہ وہ کامیاب ہوں اور علی رضی اللہ عنہ ناکام ہو جائیں، اور یہ وہ ناکامی ہے جو تمام کامیابیوں سے بڑھ کر ہے"۔(۱)

اسی طرح اثنا عشری شیعی معتزلی بدعتی مسعودی کی موضوع روایت پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی بات نقل کرتے ہیں اور اس کا اثبات کرتے ہوئے جلیل القدر مبشرین بالجنۃ صحابہ کرام پر طعن و تشنیع کرتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:"یہ ایک مسلم ضمیر کی بیداری کی آواز تھی (ابو ذر رضی اللہ عنہ کے حضرت عثمان کو ڈانٹنے کے سلسلے میں ایک من گھڑت قصے کے بارے میں کہتے ہیں) جسے بے تحاشا دولت وثروت کی کثرت کے سامنے حرص و طمع نے نشہ میں مبتلا (مخمور) نہیں کیا جو (دولت وثروت کی فراوانی) اسلامی جماعت کو طبقات میں بانٹتی تھی اور ان اقدار کو پامال کرتی تھی جنہیں لوگوں کے درمیان بحال کرنے کے لیے اسلام آیا تھا، یہاں ہمارے لیے کافی ہے کہ ہم ان اموال کثیرہ کی مثال ذکر کریں جس کا ذکر مسعودی نے کیا ہے وہ کہتا ہے: عثمان کے زمانے میں صحابہ نے زمینیں اور اموال جمع کر لیا تھا، چنانچہ جس دن عثمان قتل کیے گیے اس دن ان کے خازن کے پاس ڈیرہ سو ہزار ہزار (۱۵۰۰۰۰۰۰۰) درہم تھا، اور وادی القریٰ اور حنین میں ان کی زمینوں کی قیمت ایک لاکھ دینار تھی، نیز بہت سارے اونٹ اور گھوڑے چھوڑے تھے اور حضرت زبیر کی وفات کے بعد ان کے ترکہ کا ایک ثمن (آٹھواں حصہ) پچاس ہزار دینار تھا، انہوں نے اپنے پیچھے ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار غلام چھوڑا تھا، اسی طرح عراق سے روزانہ حضرت طلحہ کا ایک لاکھ قیمت کے بقدر غلہ آتا تھا، عبد الرحمن بن عوف کے اصطبل میں ایک ہزار گھوڑے تھے ان کے ایک ہزار اونٹ اور دس ہزار بکریاں تھیں، زید بن ثابت نے اتنا سونا چاندی چھوڑا تھا جو کلہاڑوں سے کاٹے جانے کے قابل تھا، سعد بن ابی وقاص نے عقیق سے ایک گھر بنایا تھا اس کی چھت کو اونچا اور فضاؤں کو وسیع کیا تھا، حضرت مقداد نے مدینے میں ایک گھر بنایا تھا اور اس کے ظاہر و باطن کو چونا گچ کر رکھا تھا، یعلی بن منبہ نے ترکے میں پچاس ہزار دینار اور اتنی چیزیں چھوڑی تھی جن کی قیمت تین لاکھ درہم تھی"۔(۲)

۴-صحابی رسول حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی تکفیر۔

---

(۱) (کتب و شخصیات ص:۲۴۲)۔

(۲) (العدالۃ الاجتماعیۃ ص:۱۷۵)۔

سید قطب لکھتے ہیں: "ابوسفیان وہ شخص ہیں جن سے اسلام اور مسلمانوں کو جو تکلیفیں اور اذیتیں پہنچیں ان سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں، انہوں نے اس وقت اسلام قبول کیا جب اسلام اپنی فیصلہ کن فتح کے جھنڈے گاڑ چکا تھا، چنانچہ یہ محض ہونٹ اور زبان کا اسلام تھا، قلب (دل) ووجدان کا نہیں، اسلام اس شخص کے دل میں راسخ نہ ہوا"۔ (۱)

صحابہ پر طعن و تشنیع کرنا کس قدر خطرناک امر ہے اس کا اندازہ امام اہل السنۃ ابوزرعہ رازی کی اس بات سے لگایئے اور فیصلہ کیجئے کہ سید قطب کی گستاخی کس درجہ عظیم ہے، امام ابوزرعہ فرماتے ہیں: إذا رأيت الرجل ينتقص أحداً من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعلم أنه زنديق، وذلك أن القرآن حق، والرسول حق، وما جاء به حق، وإنما أدى إلينا ذلك كله الصحابة فهؤلاء يريدون أن يجرحوا شهودنا؛ ليبطلوا الكتاب والسنة، والجرح بهم أولى، وهم زنادقة"۔ (۲)

جب تم کسی آدمی کو کسی صحابی کی تنقیص کرتے دیکھو تو جان لو کہ وہ زندیق ہے اور یہ اس وجہ سے کیونکہ قرآن حق ہے رسول برحق ہیں اور رسول جو کچھ لائیں ہیں وہ بھی برحق ہے اور یہ ساری چیزیں ہم تک پہچانے والے صحابہ ہیں، چنانچہ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے گواہوں کو مجروح کردیں تاکہ کتاب وسنت کو باطل قرار دیں، یہ خود جرح کے زیادہ مستحق ہیں یہ زنادقہ (ملحد وبے دین) ہیں۔

۵-سید قطب وحدت الوجود کا عقیدہ رکھتے تھے اور اپنی کتابوں اس کی نشرواشاعت کرتے تھے۔

سید قطب فی ظلال القرآن سورہ اخلاص کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ""احد" میں وجود کی احدیت کا اظہار ہے، یعنی اس (اللہ) کی حقیقت کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں ہے، اس کے سوا اور کوئی حقیقی وجود نہیں ہے، اللہ کے سوا جس قدر موجودات ہیں وہ اپنا وجود اللہ سے اخذ کرتی ہیں، اور وہ اپنی حقیقت اللہ کی حقیقت سے لیتی ہیں، وہ فاعلیت میں بھی یکتا ہے لہذا اللہ کے سوا اس پوری کائنات میں کوئی اور موثر اور کوئی اور فاعل نہیں ہے، لہذا یہ ایک نظریہ اور عقیدہ ہے جو انسان کے ضمیر میں جاگزیں ہوتا ہے، اور یہ دراصل اس کائنات کی تفسیر بھی ہے، جب کسی دل میں یہ عقیدہ بیٹھ جاتا ہے اور عقل اس کا تصور کرلیتی ہے اور

---

(۱) (اخبار: المسلمون عدد ۳، ۱۳۷۱ھ)۔

(۲) (الكفاية في علم الرواية للخطيب البغدادي ۴۶-۴۹، وعلوم الحديث ۲۶۴، الإصابة ۱/ ۱۷، ۱۸، فتح المغيث ۴/ ۹۵)۔

اس پوری کائنات کی تفسیر اس کی روشنی میں ہو جاتی ہے تو انسانی دل پر کوئی اور تصور نہیں چھاتا اور انسانی قلب میں کسی اور سوچ کا شائبہ نہیں رہتا، اور انسانی قلب اس واحد ذات واجب الوجود کے سوا کسی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا کیونکہ دراصل موجود تو یہی ذات یکتا ہے اور فعال اور موثر بھی یہی واحد ذات ہے۔

پھر اس کائنات میں جو چیزیں بھی پائی جاتی ہیں ان کے ساتھ قلب انسانی کا رابطہ ختم ہو جاتا ہے، اگرچہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ انسانی دل سے ماسوا اللہ کے وجود کا شعور ہی ختم ہو جائے، اگر یہ شعور ختم نہ بھی ہو تعلق ختم ہو جاتا، اس لیے کہ اللہ کے وجود کے سوا تمام دوسری اشیاء کے وجود کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور اس پوری کائنات میں اللہ کے ارادے کی فاعلیت اور تاثیر کے سوا کوئی اور چیز فعال اور موثر بھی نہیں ہے، لہذا عقدہ توحید کے بعد قلب انسانی کسی ایسی چیز سے کیوں متعلق ہو جو نہ حقیقتا موجود ہے اور نہ کسی چیز میں فعال و موثر ہے۔... جب انسان شعور میں یہ حقیقت اچھی طرح بیٹھ جائے کہ انسان کو اس کائنات میں صرف اللہ کی حقیقت نظر اتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر اس کائنات میں انسان کو جو وجود نظر ائے گا اس میں بھی اسے یہی حقیقت نظر ائے گی، اس طرح پھر انسانی قلب کو ہر چیز میں دست قدرت نظر اتا ہے اور اس کے بعد پھر انسان اس درجے پر فائز ہوتا ہے کہ اسے اس کائنات میں اللہ کے سوا کچھ بھی نظر نہیں اتا۔ (۱)

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ تفسیر ظلال القرآن کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "میں نے سید قطب کی سورہ اخلاص کی تفسیر پڑھی ہے، اس نے اس میں بہت بڑی بات کہی ہے، جو اہل سنت والجماعت کے منہج کے مخالف ہے کیونکہ اس کی تفسیر یہ ثابت کرتی ہے کہ وہ وحدت الوجود کا قائل ہے۔ اسی طرح اس نے استواء کی تفسیر (گمراہ فرقے جیسے معتزلہ، اشاعرہ، ماتریدیہ وغیرہ جو اللہ تعالی کی صفات کی سلف صالحین کے مذہب کے برخلاف تاویلات کرتے ہیں کی طرح) استولی سے (قبضہ یا غلبہ) ہے"۔ (۲)

---

(۱) (في ظلال القرآن ۶/ ۴۰۰۲، ترجمہ سید معروف شاہ شیرازی)۔

(۲) مجلۃ الدعوۃ: (عدد ۱۵۹۱، ۹/ ۱/ ۱۴۱۸ھ)۔

اسی طرح سید قطب کے دیگر اقوال سے بھی وحدت الوجود کا ثبوت ملتا ہے، تفصیل کے لیے ان مراجع کا مراجعہ کریں:(في ظلال القرآن ٦/ ٣٤٦٩، ٦/ ٣٤٧٩، ٦/ ٤٠٠٣) وغیرہ۔

٦-سید قطب اپنے ہم منہج افراد کے علاوہ بالعموم تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں۔

سید قطب لکھتے ہیں:"لقد استدار الزمان كهيئته يوم جاء هذا الدين إلى البشرية بلا إله إلا الله ،ارتدت البشرية إلى عبادة العباد وإلى جور الأديان؛ ونكصت عن لا إله إلا الله، وإن ظل فريق منها يردد على المآذن: لا إله إلا الله".(١)

"زمانہ بلکل اپنی اس شکل پر لوٹ چکا ہے جس پر وہ اس وقت تھا جب یہ دین انسانیت کے پاس "لا إله إلا الله" لے کر آیا تھا، آج انسانیت بندوں کی عبادت اور ظالمانہ ادیان کی طرف مرتد ہو چکی ہے، اور "لا إله إلا الله" سے پلٹ چکی ہے، اگرچہ بعض لوگ اب بھی میناروں پر "لا الله الا الله" دہرا رہے ہیں۔۔۔"۔

مزید لکھتے ہیں:"إنه ليس على وجه الأرض اليوم دولة مسلمة ولا مجتمع مسلم؛ قاعدة التعامل فيه هي شريعة الله والفقه الإسلامي"۔(٢)

"آج روئے زمین پر کوئی ایسی مسلمان حکومت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ایسا مسلم معاشرہ ہے جس میں معاملات کی بنیاد شریعت الہیہ اور اسلامی فقہ پر رکھی گئی ہو"۔

"ونحن نعلم أن الحياة الإسلامية ـ على هذا النحو ـ قد توقّفت منذ فترة طويلة في جميع أنحاء الأرض، وأن وجود الإسلام ذاته ـ مِنْ ثَمّ ـ قد توقّف كذلك"۔ (٣)

---

(١) (في ظلال القرآن ٤/ ٢٠٠٩)۔

(٢) (في ظلال القرآن ٤/ ٢١٢٢)۔

(٣) (العدالة الاجتماعية ص: ١٨٥)۔

"اور ہم جانتے ہیں کہ دنیا کے تمام اطراف واکناف میں اسلامی زندگی اسی طرز پر ایک لمبی مدت سے ٹھہری ہوئی ہے، اسی طرح خود اسلام کا وجود بھی موقوف ہے"

لکھتے ہیں "بلاشبہ آج مسلمان جہاد نہیں کر رہے ہیں، کیونکہ مسلمان آجکل موجود ہی نہیں ہیں! اسلام اور مسلمان کے وجود کا مسئلہ ہی آج حل کا محتاج ہے"۔ (۱)

"یہ جاہلانہ معاشرہ جس میں ہم سانس لے رہے ہیں یہ اسلامی معاشرہ نہیں ہے"۔ (۲)

اخوان المسلمین کے بہت بڑے امام ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے اپنی کتاب "أولويات الحركة الإسلامية ص:۱۱۰" کے اندر صراحت کے ساتھ لکھاہے کہ سید قطب اپنی دعوت کے آخری مرحلے میں مسلم معاشرے کی تکفیر کرتے تھے۔

۸-جہمیہ معتزلہ کی طرح کلام اللہ قرآن کریم کو مخلوق قرار دیتے ہیں۔

قرآن کریم کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "والشأن في هذا الإعجاز هو الشأن في خلق الله جميعاً، وهو مثل صنع الله في كل شيء، وصنع الناس"۔ (۳)

"اس اعجاز میں وہی شان ہے جو اللہ تعالی کی تمام تخلیقات میں ہے، اور وہ ہر چیز میں اللہ کی اور لوگوں کی تخلیق کی طرح ہے"

(۱) (في ظلال القرآن ۳/۱۶۳۴)۔

(۲) (في ظلال القرآن ۴/۲۰۰۹)۔

(۳) (في ظلال القرآن ۱/۳۸)۔

ایک جگہ حروف مقطعات پر کلام کرنے کے بعد لکھتے ہیں:"ولكنهم لا يملكون أن يؤلّفوا من هذه [الحروف] مثل هذا الكتاب؛ لأنه من صنع الله لا من صنع الناس"۔(۱)

لیکن وہ لوگ ان حروف سے اس جیسی کتاب تالیف نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ اللہ تعالی کی بنائی ہوئی ہے، انسان کی نہیں۔

سورہ ص کی تفسیر میں کہتے ہیں:"...وهذا الحرف [ص] من صنعة الله تعالى؛ فهو موجده صوتاً، وموجده حرفاً من حروف الهجاء"۔ (۲)

اللہ تعالی اس حرف "ص" کی قسم اٹھا رہا ہے، بلکل اسی طرح جس طرح اس نے اس نصحیت و ذکر والے قرآن کی قسم اٹھائی ہے۔ اور یہ حرف اللہ تعالی کی بناوٹ میں سے ہے، وہی بصورت آواز اس کا موجد (ایجاد کرنے والا) ہے، اور اسی نے اس کو حروف تہجی کے طور پر ایجاد فرمایا ہے"

شیخ عبد اللہ الدویش رحمہ اللہ اپنی کتاب "المورد الزلال التنبيه على اخطاء تفسير الظلال"(۳) میں اس کلام پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اور ان کا یہ کہنا کہ یہ حرف اللہ تعالی کا بنایا ہوا ہے اور وہی اس کا موجد ہے، یہ معتزلہ اور جہمیہ (جیسے گمرہ فرقوں) کا قول ہے جو قرآن کو مخلوق کہتے ہیں۔ جہاں تک اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے تو وہ کہتے ہیں کہ: قرآن اللہ تعالی کا کلام ہے، اس نے اسے نازل فرمایا ہے، (اللہ کا کلام اللہ تعالی کی صفت ہے) مخلوق نہیں ہے"۔

سید قطب لکھتے ہیں:"بے شک قرآن ایک کائناتی مظہر ہے، جیسا کہ زمین اور آسمان ہے"۔(۴)

---

(۱) (في ظلال القرآن ۵/۲۷۱۹)۔

(۲) (في ظلال القرآن ۵/۳۰۰۶)۔

(۳) ص:۱۸۰۔

(۴) (في ظلال القرآن ۴/۲۳۲۸)۔

خلق قرآن کا عقیدہ کس قدر مہلک ہے اس کا اندازہ امامان جلیلان ابو حاتم وابو زرعہ الرازیان کی اس بات سے لگایئے جو ان دنوں کے بقول ان سے ما قبل کے علمائے اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ تھا فرماتے ہیں: ومن زعم أن القرآن مخلوق فهو كافر بالله العظيم كفرا ينقل عن الملة،ومن شك في كفره ممن يفهم فهو كافر"۔ (۱)

جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ قرآن مخلوق ہے تو وہ اللہ ربّ العزت کے سلسلے میں کفر کا مرتک ہے ایسا کفر جو دین سے خارج کر دے، اور جو سمجھتے بوجھتے ہوئے ایسے شخص کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔(اللہ اکبر)۔

۸-عقائد کے باب میں احادیث آحاد کی حجیت کے منکر ہیں۔

لکھتے ہیں:" وأحاديث الآحاد لا يؤخذ بها في أمر العقيدة و المرجع هو القرآن"۔ (۲)

عقائد کے مسائل میں احادیث آحاد سے استدلال نہیں کیا جائے گا، اس سلسلے میں مرجع فقط قرآن ہے۔

۹- جماہیر اہل علم کے برخلاف "لا إله إلا الله" کی تفسیر توحید ربوبیت اور ان کی اپنی ایجاد کردہ توحید کی قسم توحید حاکمیت سے کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں "فلا شريك له في خلقٍ و لا اختيارٍ"۔(۳) "أن يشهد الناس أن لا إله إلا الله أي: لا حاكمية إلا لله، حاكميةً تتمثل في شرعه و أمره"۔(۴) جبکہ سلف صالحین نے کلمہ توحید کی تفسیر توحید الوہیت سے کی ہے یعنی "لا معبود حق إلا الله"۔

---

(۱) (تکمیل العینین بشرح عقیدۃ الرازیین ص:۲۱۵)۔

(۲) (في ظلال القرآن ۶/۴۰۰۸)۔

(۳) (في ظلال القرآن ۵/۲۷۰۶)۔

(٤) (العدالة الاجتماعية ص:۱۸۲)۔

نیز لکھتے ہیں کہ "الوہیت کے مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں تھا، رسولوں کا مقابلہ تو منکرین توحید ربوبیت سے تھا، اور اسی اختلاف کا سامنا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تھا۔[1] حالانکہ خود قرآن مجید میں متعدد مقامات پر صراحت ہے کہ عہد رسالت کے کفار توحید ربوبیت پر ایمان رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ وَسَخَّرَ ٱلشَّمْسَ وَٱلْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ ٱللَّهُ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ﴾۔[2]

۱۰- قرآن کریم میں مذکور بیشتر امور غیبیہ کو جن کے نام کی چیزیں دنیا میں موجود ہیں حقائق کے بجائے قرآن کی فنی تصویر کشی اور تمثیل پر محمول کرتے ہیں، یعنی یہ چیزیں حقیقت میں آخرت میں نہیں ہو گی بلکہ محض لوگوں کو سمجھانے کے لیے اللہ نے بطور تمثیل ان چیزوں کا ذکر کیا ہے، چنانچہ انہوں نے میزان کی تاویل کی ہے اور کہا کہ یہ فقط اس بات کی تفہیم کے لیے ہے کہ قیامت کے روز لوگوں کے ساتھ کسی قسم کا ظلم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اعمال کے حساب کتاب میں ذرہ برابر کمی کی جائے گی۔[3]

۱۱- سید قطب نے جہمیہ کی طرح صفات باری تعالیٰ کی تاویل اور انکار کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ محض معانی ہیں اور وہ تخیلاتی تصویر کشی ہے جسے انسان سمجھتا ہے، بالخصوص صفت علو کی تفسیر سیطرہ غلبہ اور تسلط قبضہ سے کی ہے۔[4]

۱۲- سید قطب لکھتے ہیں کہ مذہب اسلام کی کبھی بھی یہ خواہش نہیں رہی کہ لوگوں کو زبردستی اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا جائے، خواہ قہر واکراہ اور زبردستی کی کوئی بھی صورت ہو، حتیٰ کہ معجزات کے ذریعے عقلی طور پر مغلوب کر کے اسلام میں داخل کروانا بھی اسلام کا طریقہ نہیں رہا ہے، جیسا کہ پہلے ادیان میں تھا کہ موسی کو نو نشانیاں عطا کی گئی تھیں، عیسی کو ماں کی

---

(۱) (في ظلال القرآن ۴/ ۱۸۴۶)۔

(۲) (سورۃ العنکبوت:۶۱)۔

(۳) (التصوير الفني في القرآن ص:۸۳)۔

(۴) (في ظلال القرآن ۳/ ۱۷۶۳، التصوير الفني في القرآن ص:۸۵-۸۶)۔

گود میں کلام کرنے، مردوں کو زندہ کرنے، نیز اندھوں اور برص میں مبتلا لوگوں کو شفایاب کرنے کی قوت دی گئی تھی۔ (۱) نیز لکھتے ہیں کہ اسلام کا معجزہ صرف قرآن ہے۔ (۲)

ان کے علاوہ سید قطب کے اور بھی بہت سارے گمراہ کن عقائد وافکار ہیں جن کا ذکر ان کے افکار و نظریات سے متعلق لکھی گئی مفصل کتابوں میں موجود ہیں۔

---

(۱) (نحو مجتمع إسلامي ص:۱۰۳)۔

(۲) (في ظلال القرآن ۴/۲۲۳۷)۔

ابو المدیح بلال الخلیلی
جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

صراط مستقیم: مفہوم اور تقاضے (قسط دوم)

پہلی قسط؛ قدرے تمہید کے ساتھ صراط مستقیم کی حقیقت، سلف الصالحین سے مروی اس کی تفسیر و مفہوم اور اس کے میزات و خصوصیات پر مشتمل تھی۔ جس سے یہ واضح تھا کہ صراط مستقیم صرف ایک راستہ نہیں بلکہ خالص ان اسلاف کا منہج ہے جن پر اللہ تعالی نے انعام کیا، جن کی راہ کو راہ جنت بتلایا، جن کی زندگی کو اللہ تعالی نے خلف کیلئے اسوہ و نمونہ قرار دیا، اسی راہ پر چل کر ایک مسلمان ہدایت پاسکتا ہے، یہی وہ منہج ہے جو "لیلها کنهارها" کی واضح تفسیر ہے۔

صراط مستقیم کے معالم و موارد اور اس کے تقاضے:-

اصطلاح شرع میں صراط مستقیم کا اطلاق دیگر اسماء واعلام پر بھی کیا گیا ہے، جس کی معرفت سے صراط مستقیم کا صحیح مفہوم سمجھا جاسکتا ہے مثلاً:

(۱)الاسلام:

دین اسلام، صراط مستقیم کا اولین مصداق ہے، کہ دین اسلام جمیع انبیاء کا دین رہا ہے، اللہ تعالی کے نزدیک قابل قبول دین بھی یہی ہے، نیز صراط مستقیم کی جتنی تفاسیر کی گئی ہیں ان میں سب سے جامع شامل و کامل تفسیر اسلام ہی کی ہے، اس سلسلہ میں تفسیر طبری میں موجود صراط مستقیم پر آثار کو دیکھا جاسکتا ہے، چنانچہ صراط مستقیم کے مفہوم میں جن علماء و مفسرین نے دین اسلام سے اس کی تفسیر کی ہے، تو اس سے مراد دین اسلام کے مخالف ہر اس دین کا رد ہے جو باطل و منسوخ ہے۔ جس کی اصل (وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ) آیت ہے۔

یعنی کہ جو کوئی شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا تو اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا، اور آخرت میں وہ ان لوگوں میں شامل ہو گا جو سخت نقصان اٹھانے والے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بندگی کے وہ تمام راستے جو شاہراہ اسلام سے مختلف ہیں، وہ تمام عند اللہ ناقابل قبول ومحدوش ہیں۔ مطلب کہ اسلام وکفر کے درمیان کوئی تیسری چیز باقی نہیں رہ جاتی، جس سے انسان کونین میں سرفراز ہوسکے۔ لہذا صراط مستقیم کے مفہوم میں دین اسلام کا وارد ہونا ہی کافروں، زندیقوں اور مشرکوں کے خلاف رد پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ دین اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس دین کو اپنا کر اپنے لئے دخول اسلام کے ساتھ دخول جنت کا راستہ بھی ہموار کرے۔

(۲) نبی اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب کا راستہ:

نبی کریم ﷺ نے ہر اس طریقہ کو جہنمی طریقہ بتلایا ہے جو سنت اور طریقہ صحابہ کے مخالف ہو، فرمان نبوی ﷺ ہے:

"لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوا وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي" ۔(۱)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری امت کے ساتھ وہی صورت حال پیش آئے گی جو بنی اسرائیل کے ساتھ پیش آچکی ہے، یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے اگر اپنی ماں کے ساتھ اعلانیہ زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسا شخص ہوگا جو اس فعل شنیع کا ارتکاب کرے گا، یاد رکھو کہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، اور ایک فرقہ کو چھوڑ کر باقی سبھی فرقے جہنم میں جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ کون سی جماعت ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر ہوں گے۔"

چنانچہ معلوم ہوا کہ سنت نبوی ﷺ اور منہج صحابہ سے روگردانی ضلالت ودخول جہنم کا باعث ہے، اور یہ اصطلاح عموماً مسلمانوں میں موجود منکرین سنت واہل ضلال وبدعت کے رد میں استعمال ہوتا ہے، اور مذکورہ حدیث حق وباطل، توحید وشرک اور سنت وبدعت میں تمیز کرنے کا میزان وپیمانہ ہے، سو اگر صراط مستقیم کے مفہوم میں سنت نبوی ﷺ اور منہج صحابہ

---

(۱) (صحيح الترمذي وحسنه الألباني: ۲۶۴۱)۔

کرام کو پیش کیا جائے تو اس سے مراد وہ شاہراہ مراد ہوگی جس پر نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کا اعتقاداً، عملاً، اخلاقاً اور دعوۃً مسلک رہا ہو، جس کا بھی عقیدہ، عمل، اخلاق اور دعوت، سنت نبوی ﷺ اور منہج صحابہ سے مختلف ہو وہ ضال وگمراہ ہے، چنانچہ اس راستہ کا تقاضا یہ ہے کہ ایک مسلمان حالت اسلام کے ساتھ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور منہج صحابہ کے مطابق بھی زندگی گزارے۔

(۳) اہل سنت والجماعت کا راستہ:-

متمسکین سنت اور معتصمین جماعت کے گروہ کو اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے۔

اہل سنت والجماعت کی اصطلاح نصوص شرعیہ سے ماخوذ اصطلاح ترکیبی ہے، چنانچہ اہل السنۃ کی اصطلاح حدیث نبوی ﷺ "فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين"[١] سے ماخوذ ہے، جبکہ **"الجماعۃ"** **حدیث افتراق** "........واحدةٌ في الجنَّةِ وثِنتانِ وسبعونَ في النَّار قيلَ يا رسولَ اللَّهِ مَن هم قالَ الجماعَةُ"[٢] سے ماخوذ ہے۔

اولاً اس اصطلاح کا استعمال ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سورہ آل عمران کی آیت ۱۰۶ کی تفسیر میں کیا کہ: "يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ ٱسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَٰنِكُمْ فَذُوقُواْ ٱلْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ"۔[٣]

یعنی کہ جس دن کچھ چہرے چمکتے ہوں گے، اور کچھ چہرے کالے ہوں گے، جن کے چہرے کالے ہوں گے (ان سے کہا جائے گا کہ) تم لوگوں نے ایمان کے بعد کفر کو قبول کر لیا تھا، تو اپنے کفر کی وجہ سے عذاب کا مزہ چکھو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ روشن چہرے والوں سے مراد اہل سنت والجماعت ہیں، اور سیاہ چہرے والوں سے مراد اہل بدعت اور امت میں افتراق پیدا کرنے والے ہیں۔[٤]

---

(١) (ابو داود وابن ماجہ: صحیح)۔

(٢) (ابن ماجہ: صحیح)۔

(٣) سورہ آل عمران: آیت: ١٠٦۔

(٤) (تفسیر ابن کثیر)۔

چنانچہ صراط مستقیم کے مفہوم میں اہل سنت والجماعت کا ذکر منافقین، غلاۃ اہل بدعت واہل تفریق اور مرتدین کے رد پر ہوگا، چنانچہ اس طریقہ کا تقاضہ ہے کہ انسان حالت اسلام میں طریقہ نبی ﷺ ونہج صحابہ کو لازم پکڑے اور کبھی جماعت سے الگ ہوکر حزبیت میں شامل نہ ہو۔ کیونکہ شارع کا طریقہ صرف ایک ہے جبکہ حزبیت کے متعدد طرق ہیں جس سے بچنے کا شرع میں حکم دیا گیا ہے۔

(۳)وسطیت:-

شرع میں وسطیت سے مراد عدل، خیار اور دو چیزوں کی درمیانی شیء ہے، تمام نصوص شرعیہ انہی تین مطالب میں سے کسی ایک مطلب پر دلالت کرتی ہیں۔

چنانچہ صراط مستقیم کے مفہوم میں وسطیت کا استعمال اکثر "التوسط بين الشيئين" کے ضمن میں ہوتا ہے۔ چنانچہ اس صراط مستقیم کے مفہوم میں جہاں وسطیت مذکور ہو وہاں بحیثیت دین اثبات اسلام اور انکار ادیان باطلہ مراد ہوتا ہے، یعنی کہ ہر غیر مسلم کے افکار وادیان کا بطلان ہوتا ہے، خواہ وہ کفار ومشرکین ہوں، منافقین ومرتدین ہوں یا زنادقہ وملحدین۔

اسی طرح جہاں صراط مستقیم کے مفہوم میں بحیثیت اعتقاد وسطیت مذکور ہو وہاں ملت اسلامیہ کے گمراہ فرق کا رد مراد ہوتا ہے، جو عقیدہ میں افراط وتفریط کے شکار ہیں جیسے کہ خوارج ومرجئہ۔

اسی طرح جہاں بحیثیت عبادات صراط مستقیم کے مفہوم میں وسطیت مذکور ہو وہاں عبادات میں اہل افراط یا اہل تفریط کا رد مراد ہوتا ہے، اللہ تعالی کا نصاریٰ کے رہبانیت پر رد اس کی واضح مثال ہے، نیز ان تین صحابہ کرام کا قصہ بھی جن کے سلسلہ میں نبی ﷺ کو عبادات میں افراط وتفریط (دائمی قیام اللیل، صوم وصال اور کبھی نکاح نہ کرنے) کی جب خبر ملی تو نبی کریم ﷺ کا ان کو عبادات میں ترک غلو وافراط کی دعوت دیتے ہوئے وسطیت پر ابھارنا بھی اس باب میں واضح دلیل ہے۔

گو دیکھا جائے تو صراط مستقیم اپنے شرعی واصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے وسطیت ہی پر دلالت کرتا ہے، صراط مستقیم کے مفہوم میں اسی وسطیت پر وضاحت کرتی یہ اثر ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: کسی نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا: "صراط مستقیم کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: "وہ ایک راستہ ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں چھوڑ کر گئے ہیں جس کا آخری سرا جنت میں جا داخل ہوتا ہے، اس راستے کے دائیں اور بائیں بہت سے سوار کھڑے ہیں اور جو لوگ

وہاں سے گذرتے ہیں تو وہ سوار انہیں اپنی طرف دعوت دیتے ہیں، چنانچہ جن لوگوں نے ان دائیں اور بائیں سواروں کی دعوت قبول کرلی وہ جہنم میں جاکر رہیں گے اور جو لوگ دائیں بائیں جھانکے بغیر اس سیدھے راستے پر چلتے رہے وہ جنت میں داخل ہوجائیں گے۔" پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "وَأَنَّ هَٰذَا صِرَٰطِي مُسْتَقِيمًا فَٱتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا۟ ٱلسُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ"۔ یعنی کہ اور (اے نبی ﷺ! ان سے) یہ بھی کہو کہ: یہ میرا سیدھا سیدھا راستہ ہے، لہذا اسی کے پیچھے چلو، اور دوسرے راستوں کے پیچھے نہ پڑو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے الگ کردیں گے۔

وسطیت کا باب بہت وسیع ہے، جس میں دین اسلام کے جمیع نواحی سے وسطیت پر گفتگو کی جاسکتی ہے، اور اس کا مفہوم ہی یہی ہے کہ انسان اعتقاد، عبادات، معاملات، اخلاق اور دعوت کو افراط و تفریط سے بچتے ہوئے منہج سلف کے مطابق اپنائے، لیکن فی الحال معاشرہ میں وسطیت کی شبیہ اعتدال کے نام پر بگاڑ کر رکھ دی گئی ہے، اور حقیقی وسطیت کو تشدد کے نام پر پکارا جاتا ہے۔ اور اسی کو حقیقت سمجھ لیا گیا ہے۔

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

وسطیت کا مفہوم ہرگز یہ نہیں کہ تلقی واستدلال اور عمل ودعوت اہل بدعت کے ساتھ ساتھ انجام دی جائیں، بلکہ یہ تو حق کے ساتھ کھلا تضاد ہے اور تلبیس حق وباطل ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے: "وَلَا تَلْبِسُوا۟ ٱلْحَقَّ بِٱلْبَٰطِلِ وَتَكْتُمُوا۟ ٱلْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ"۔ اور حق وباطل کی آمیزش نہ کرو اور نہ ہی جان بوجھ کر حق کو چھپاؤ۔

اس آیت کی تفسیر میں شیخ سعدی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ:

چنانچہ یہاں اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں سے منع کیا ہے۔ پہلا حق کو باطل میں خلط ملط کرنے سے۔ دوسرا کتمان حق سے۔ اس لئے کہ اہل کتاب اور اہل علم سے مطلوب یہ ہے کہ وہ حق کو ممیز کرکے اس کو ظاہر کریں تاکہ ہدایت کے متلاشی حق کے ذریعے سے راہ پائیں اور گم گشتہ راہ لوگ سیدھے راستے کی طرف لوٹ آئیں اور اہل عناد پر حجت قائم ہوجائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کو کھول کھول کر بیان کردیا ہے اور اپنے دلائل واضح کردیئے تاکہ حق باطل سے بالکل الگ اور ممیز ہوجائے اور مجرموں کا راستہ واضح ہوجائے۔ پس اہل علم میں سے جو کوئی حق پر عمل پیرا ہوتا ہے وہ انبیاء ومرسلین کا جانشین اور قوموں کا

راہنما بن جاتا ہے اور جو حق کو باطل میں گڈ مڈ کر دیتا ہے، حق کا علم رکھنے کے باوجود حق کو باطل سے ممیز نہیں کرتا اور اس حق کو وہ چھپاتا ہے جسے وہ جانتا ہے اور جس کے اظہار کا اسے حکم دیا گیا ہے تو ایسا شخص جہنم کے داعیوں میں شمار ہوتا ہے، کیونکہ لوگ دین کے معاملے میں اپنے علماء کے سوا کسی کی پیروی نہیں کرتے۔ پس تم ان دو چیزوں میں سے اپنے لیے جو چاہو چن لو۔

اسی طرح مزید بیان فرمایا کہ: قُل لَّا يَسْتَوِي ٱلْخَبِيثُ وَٱلطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ ٱلْخَبِيثِ ۚ فَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ يَٰٓأُو۟لِى ٱلْأَلْبَٰبِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ. (اے اللہ کے رسول ﷺ! لوگوں سے) کہہ دیں کہ ناپاک اور پاکیزہ چیزیں برابر نہیں ہو سکتیں، چاہے تمہیں ناپاک چیزوں کی کثرت اچھی لگتی ہو۔ لہذا اے عقل والو! اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو۔

یعنی ہر چیز میں اچھے اور برے برابر نہیں ہو سکتے۔ ایمان اور کفر، اطاعت اور معصیت، اہل جنت اور اہل جہنم، اعمال خبیثہ اور اعمال صالحہ برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح حرام مال اور حلال مال کے درمیان کوئی مساوات نہیں۔

ان نصوص سے ثابت ہوا کہ حق و باطل میں تمیز واجب ہے، اور تلبیس حق و باطل حرام ہے، چنانچہ وسطیت کے نام پر اہل بدعت کے ساتھ تلقی علم، ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، ان کے ساتھ عبادات و دعوت کا کام انجام دینا، یہ سب خسارہ اور ضلالت و گمراہی کا باعث ہیں، جس سے نہ صرف سلف صالحین بچا کرتے بلکہ اپنے مجالس سے ایسوں کو اٹھا کر بھگا دیا کرتے۔ برصغیری معاشرے کیلئے اس وسطیت کا بنیادی تقاضہ یہی ہے کہ اس کے مفہوم کو نصوص شرعیہ اور اقوال سلف کی روشنی میں اولا اچھے سے جان لیا جائے، تاکہ خلط حق و باطل سے بچا جا سکے، پھر افراط و تفریط سے بچتے ہوئے منہج تلقی، منہج استدلال، منہج عمل و منہج تعامل کو اسی طرح انجام دیا جائے جس طرح سلف صالحین کا منہج تھا، کہ یہی ہدایت اور حقیقی وسطیت ہے۔

(۴) سلف صالحین کا منہج:۔

حقیقت میں دیکھا جائے تو صراطِ مستقیم بحیثیت منہج، منہج سلف اور مومنوں کا راستہ ہی ہے، سورہ فاتحہ کی آیت "صِرَٰطَ ٱلَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" اسی منہج سلف کی تعبیر ہے۔

چنانچہ صراط مستقیم کے مفہوم میں منہج سلف سے مراد ان لوگوں کا منہج ہے جن پر اللہ تعالی نے انعام کیا، جیسا کہ سورہ نساء کی آیت سے واضح ہے کہ "وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ فَأُو۟لَٰٓئِكَ مَعَ ٱلَّذِينَ أَنْعَمَ ٱللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ وَٱلصِّدِّيقِينَ وَٱلشُّهَدَآءِ وَٱلصَّٰلِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُو۟لَٰٓئِكَ رَفِيقًا"۔

یعنی کہ اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ اور وہ کتنے اچھے ساتھی ہیں۔

لہذا منعم علیہم ہمارے لئے سلف ہیں جن میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین بطور خاص شامل ہیں، اور ان کا طریقہ ہم لوگوں کیلئے وہ منہج ہے جس سے روگردانی اللہ تعالی نے دخول جہنم کا باعث بتلایا ہے۔ ارشادِ باری ہے:

"وَمَن يُشَاقِقِ ٱلرَّسُولَ مِنۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ ٱلۡهُدَىٰ وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيلِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ نُوَلِّهِۦ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصۡلِهِۦ جَهَنَّمَۖ وَسَآءَتۡ مَصِيرًا".

یعنی کہ اور جو شخص راہ ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا، اور مومنوں کی راہ چھوڑ کر کسی دوسری راہ کی اتباع کرے گا، تو وہ جدھر جانا چاہے گا ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے، اور اسے جہنم میں ڈال دیں گے، اور وہ برا ٹھکانا ہو گا۔

ظاہر ہے کہ تمام سلف صالحین مومنین رہے ہیں اور ان کا طریقہ ہمارے لئے ہدایت اور دخول جنت کا سبب ہے، ایسی صورت میں ان کے راہ سے اعراض وتولی محض کفر وعناد ہے، چنانچہ صراط مستقیم کے مفہوم میں منہج سلف صالحین اور سبیل المؤمنین کا ذکر متبعین خلف، اہل بدعت اور اہل العقل پر رد مراد ہوتا ہے۔ اور اس منہج کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان عقیدہ سلف پر کاربند ہو، نصوص شرعیہ کی تعظیم کرے، عقل پر نقل کو مقدم رکھے، فہما اور تطبیقا وسطیت پر کاربند ہو۔

یہ چند معالم و موارد ہیں جو نصوص شرعیہ سے ماخوذ متقدمین کے کتب میں بالخصوص گمراہ وباطل فرقوں کے رد میں استعمال کی گئی ہیں۔ حالانکہ یہ سب اسماء و معالم ایک ہی موصوف کی متعدد صفات ہیں، چنانچہ رب العزت نے قرآن مجید کی جامع سورت سورۃ الفاتحہ میں اس منہج ربانی، نہج انبیاء اور سبیل المؤمنین کی جامع کلمات میں تعبیر کرتے ہوئے صراط مستقیم کا استعمال کیا۔

صراط مستقیم کے اعمال اور تقاضے:

نصوص کتاب وسنت میں صراط مستقیم کے اعمال و تقاضے جابجا بیان کئے گئے ہیں، کہیں تصریحا تو کہیں تلمیحا، کہیں اجمالاً تو کہیں تفصیلاً، المہم کہ جن اعمال ومقتضیات کا صراط مستقیم کے سیاق وسباق میں ذکر کیا گیا ہے، ان تمام کو اگر ایک لفظ میں

بیان کیا جائے تو اسی کو عبادت کہتے ہیں جو اوامر و نواہی پر مشتمل ہیں، اور اسی عبادت کو شارع نے صراط مستقیم بتایا ہے: "إِنَّ ٱللَّهَ رَبِّى وَرَبُّكُمْ فَٱعْبُدُوهُ ۚ هَٰذَا صِرَٰطٌ مُّسْتَقِيمٌ"۔ یعنی کہ بیشک اللہ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار چنانچہ تم لوگ صرف اسی کی عبادت و بندگی کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔

ہر عبادت وجود شرطین سے عبارت ہے کہ وہ اخلاص پر مبنی ہو اور اس پر سنت و شریعت کا موافقہ ہو۔ چنانچہ ہر وہ عبادت جو ان دونوں یا ان دونوں میں سے کسی ایک شرط سے بھی عاری ہو وہ عبادت یا تو شرک و ریاکاری کہلائے گی یا بدعت و مخالفت۔ لہذا غور طلب امر یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ان دونوں شرطوں کو صراط مستقیم کے اعمال میں اول و آخر کے طور پر شامل کیا ہے، جس کی تفصیل آگے آئے گی ان شاء اللہ۔

ویسے یہ بات ہر ذی علم مسلمان جانتا ہے کہ اللہ تعالی نے جن و انسان کو محض اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے، اور یہی وہ عبادت بھی ہے جس کو اللہ تعالی نے صراط مستقیم سے تعبیر بھی کیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے: "أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَٰبَنِىٓ ءَادَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا۟ ٱلشَّيْطَٰنَ ۖ إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ وَأَنِ ٱعْبُدُونِى ۚ هَٰذَا صِرَٰطٌ مُّسْتَقِيمٌ"۔ کیا میں نے تمھیں تاکید نہ کی تھی اے اولاد آدم! کہ شیطان کی عبادت (پیروی) نہ کرنا، یقیناً وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔ اور یہ کہ میری عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

شریعت اسلامیہ میں عبادت کا مفہوم:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ عبادت کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ: "إسم جامع لكل ما يحبه الله ويرضاه من الأقوال والأعمال الظاهرة والباطنة".[1] عبادت ایک جامع لفظ ہے جو اللہ تعالیٰ کے تمام پسندیدہ و محبوب ظاہری و باطنی اقوال و افعال کو شامل ہے۔

بلاشبہ یہ تعریف عبادات کے جملہ اقسام پر محیط ہے، کہ جس میں رضاء الٰہی کو تمام عبادات کا اصل و محور بتایا گیا ہے، اور یہی وہ حقیقت بھی ہے کہ جس کے حصول کے بعد سوائے دیدار الٰہی کے مزید کچھ باقی نہیں رہتا، یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالی نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسی نفوسِ قدسیہ کی تعریف فرمائی تو رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ جیسے کلمات سے خطاب

---

[1] (العبودية : ۳۸)۔

کیا، جن کی زندگی کو ہدایت کا معیار بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: "فَإِنْ ءَامَنُواْ بِمِثْلِ مَآ ءَامَنتُم بِهِۦ فَقَدِ ٱهْتَدَواْۖ وَّإِن تَوَلَّوْاْ فَإِنَّمَا هُمْ فِى شِقَاقٍۖ فَسَيَكْفِيكَهُمُ ٱللَّهُۚ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ"۔ اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پائیں، اور اگر منہ موڑیں تو وہ صریح اختلاف میں ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے عنقریب آپ کی کفایت کرے گا اور وہ خوب سننے اور جاننے والا ہے۔

"فَقَدِ ٱهْتَدَواْ" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے شیخ عبد الرحمن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں: (صحابہ کے نہج پر ایمان لانے کے بعد) تو ان کو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی مل گئی جو نعمتوں والی جنت تک پہنچانے والا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے لیے اس ایمان کے بغیر ہدایت تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے اس دنیا میں جینے کے طریقہ پر مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ: "كُنْ فِي الدُّنْيا كأَنَّكَ غريبٌ، أَوْ عَابِرُ سبيلٍ" کہ تم دنیا میں ایسے رہو گویا تم ایک اجنبی یا راہ گیر ہو (بخاری) تو اس دنیا میں ایک انسان اگر مسافر و عابر سبیل ہے، اور صراط مستقیم سیدھا راستہ تو عبادت زاد راہ ہے۔ بغیر زاد راہ کے نہ تو راستہ پر چلا جا سکتا ہے اور نہ اس راستہ کے ذریعہ منزل مقصود تک پہنچا جا سکتا ہے۔ لہذا اللہ تعالی نے بذریعہ وحیین نبی کریم ﷺ کی زبانی جمیع عبادات کا اوامر و نواہی کی شکل میں تفصیل بیان کر دیا ہے، جس کی بجا آوری دو مذکورہ شرطوں (اخلاص و متابعت سنت) کے ساتھ صراطِ مستقیم کے اعمال و مقتضیات ہیں۔

A PEN WHICH HAS BEEN RAISED TO ASSIST, DEFEND THE PEOPLE OF TRUTH AND REFUTE FALSEHOOD AND ITS PROPONENTS IS THE BEST KIND.

(Imam Ibn Qayyim Rahimahullah: Al-Tibyan Fi Aemanil Qur'aan, Pg: 310)

Issue 6

Monthly

Manhaj E-Salaf MAGAZINE

Edition-1| Issue-6| Jumada Al-Sani 1445| December: 2023

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوا وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي. (سنن الترمذي: 2641)

NARRATED 'ABDULLAH BIN 'AMR: THAT THE MESSENGER OF ALLAH (ﷺ) SAID: "WHAT BEFELL THE CHILDREN OF ISRA'IL WILL BEFALL MY UMMAH, STEP BY STEP, SUCH THAT IF THERE WAS ONE WHO HAD INTERCOURSE WITH HIS MOTHER IN THE OPEN, THEN THERE WOULD BE SOMEONE FROM MY UMMAH WHO WOULD DO THAT. INDEED THE CHILDREN OF ISRA'IL SPLIT INTO SEVENTY-TWO SECTS, AND MY UMMAH WILL SPLIT INTO SEVENTY-THREE SECTS. ALL OF THEM ARE IN THE FIRE EXCEPT ONE SECT." HE SAID: "AND WHICH IS IT O MESSENGER OF ALLAH?" HE SAID: "WHAT I AM UPON AND MY COMPANIONS."

www.salafimanhaj.info